تنظیم المدارس (اہلِ سُنّت)، پاکستان کے جدید نصاب کے عین مطابق

سوالیہ پرچہ کے ساتھ

برائے طلباء

نُورانی گائیڈ

حل شدہ پرچہ جات

درجہ عالمیہ

1

مُفتی مُحمد احمد نُورانی دامت برکاتہم عالیہ

شبیر برادرز
اردو بازار ○ لاہور

(ب) اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کے بارے میں فلاسفہ، دہریہ، ابوالقاسم بلخی اور معتزلہ کا مذہب بیان
ریں؟۴×۵=۲۰

درجہ عالمیہ (سال اول) برائے طلباء بابت 2018ء

پہلا پرچہ: علم الکلام

سوال نمبر 1: (الف) شرح عقائد کے ماتن وشارح میں سے ہر ایک کا نام لکھیں اور ان میں سے
ں کے حالات زندگی اور علمی خدمات سپر دقلم کریں؟

ب: شرح عقائد کے ماتن وشارح کے اسماء گرامی:

شارح کا نام: حضرت علامہ مسعود بن عمر بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ماتن کا نام: امام الہمام قدوۃ علماء الاسلام عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل بن محمد بن علی بن لقمان النسفی
ریدی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ن کے حالات زندگی وعلمی خدمات:

ولادت: آپ 461ھ (موافق: 1069ء) کو سمرقند کے قریب ''نسف'' نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔

وفات: 537ھ، بارہ (۱۲) جمادی الاولیٰ، موافق 2 دسمبر ۱۱۴۲ء کو سمرقند میں فوت ہوئے۔

رخ وتلامذہ:

آپ نے کثیر شیوخ سے علم حاصل کیا، آپ نے خود اپنے شیوخ کی تعداد پانچ سو پچپن ذکر کی ہے،
پ سے علم حاصل کرنے والے بھی کثیر ہیں، آپ کے مشہور تلامذہ میں محمد بن ابراہیم (التوربشتی)
ب ہدایہ (علی بن ابی بکر المرغینانی) اور آپ کے اپنے بیٹے (احمد بن عمر النسفی) رحمہم اللہ تعالیٰ شامل

ت:

آپ زاہد متقی بزرگ تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اور عقائد میں آپ کی کثیر تصانیف ہیں، آپ کی
نیف ایک سو سے زیادہ ہیں۔ علماء تراجم نے آپ کو ''العلامۃ''، ''المفسر''، ''المحدث''، ''الادیب''،
ی''، ''الفاضل'' جیسے القابات سے ذکر کیا ہے۔

آپ کے عجائب میں سے علامہ زمخشری کے ساتھ آپ کا ایک علمی مکالمہ ہے کہ آپ زمخشری کے
زے پر گئے اور دروازے پر دستک دی تو زمخشری نے پوچھا: دروازے پر کون ہے؟ فرمایا: عمر، زمخشری

نے کہا: "انصرف"، تو آپ نے جواب دیا: "**عمر لا ينصرف**"، زمخشری نے کہا: "**اذا نكر صرف**"

(ب) و اسباب العلم للخلق ثلثة۔ علم کے اسباب ثلثہ تفصیلاً بیان کریں؟

جواب: مخلوق کے لیے اسباب علم تین ہیں:

۱-حواسِ خمسہ ۲-خبر صادق ۳-عقل

پہلا سبب علم

حواس خمسہ:

(۱) سمع، (۲) بصر، (۳) شم، (۴) ذوق، (۵) لمس

۱-سمع: (سننا):

وہ قوت جو کان کے سوراخ کے پیچھے بچھائے ہوئے پردوں میں رکھی گئی ہے، جب ہوا کے ذریعے آواز ان پردوں تک پہنچتی ہے تو انسان کو آواز کا ادراک ہوتا ہے۔

۲-بصر: (دیکھنا):

وہ قوت جو دو پٹھوں میں رکھی گئی ہے، یہ دونوں پٹھے دماغ میں ملے ہوئے ہیں اور ایک کا ایک آنکھ سے تعلق ہوتا ہے۔

۳-شم: (سونگھنا):

دماغ کے اگلے حصے میں دو ابھرے ہوئے گوشت کے فالتو حصوں میں یہ قوت رکھی گئی ہے، جب ہوا کے ذریعے کوئی (خوش، بد) بو خیشوم تک پہنچتی ہے تو اس قوت کے ذریعے سے اس کا ادراک ہوتا ہے۔

۴-لمس: (چھونا):

تمام بدن میں ایک قوت رکھی گئی ہے جس سے گرمی، سردی، خشکی اور تری کا احساس ہوتا ہے۔

۵-ذوق: (چکھنا):

یہ قوت زبان میں رکھی گئی ہے اس سے میٹھے، کڑوے کا ادراک ہوتا ہے۔

دوسرا سبب علم

خبر صادق:

خبر صادق وہ ہے جو واقعہ کے مطابق ہو' کیونکہ خبر ایک کلام ہے اور اس کی خارج کے ساتھ ایک

نسبت ہے۔

خبر صادق کی اقسام:

خبر صادق کی دو قسمیں ہیں:

۱-خبر متواتر، ۲-خبر رسول المؤید بالمعجزۃ

خبر متواتر:

وہ خبر ہے جو قوم کی زبانوں پر صادق ہو اور وہ قوم بلحاظ تعداد اتنی ہو کہ عقلاً ان کا جھوٹ پر اتفاق محال ہو، اس خبر سے بغیر شبہ کے علم حاصل ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس سے "علم ضروری" حاصل ہوتا ہے، جیسے مکہ کے وجود کا علم۔

خبر رسول المؤید بالمعجزۃ:

اس سے علم استدلالی حاصل ہوتا ہے، علم استدلالی سے مراد وہ علم ہے جو نظر فی الدلیل سے ثابت ہو اور جو علم خبر رسول سے حاصل ہوتا ہے' یہ تیقن وثبات میں علم ضروری کے مشابہ ہے۔

تیسرا سبب علم

عقل:

عقل وہ قوت ہے جس سے نفس علوم وادراکات کے لیے تیار ہوتا ہے۔ عقل سے جو علم بغیر فکر کے حاصل ہو وہ علم ضروری ہوتا ہے جیسے کل جزء سے بڑا ہوتا ہے اور جو علم استدلال کے ذریعہ سے حاصل ہو وہ اکتسابی ہوتا ہے۔

سوال نمبر 2: وبالجملة هو أشرف العلوم لكونه أساس الأحكام الشرعية ورئيس العلوم الدينية وكون معلوماته العقائد الاسلامية وغايته الفوز بالسعادات الدينية والدنيوية وبراهينه الحجج القطعية المؤيد أكثرها بالأدلة السمعية

(الف) مذکورہ عبارت کا ترجمہ کریں:

جواب: ترجمہ عبارت: علم الکلام فی نفسہ اشرف العلوم ہے یہ علم "احکام شرعیہ" کے لیے بنیاد ہے، تمام "علوم دینیہ" کا سردار ہے۔ اس علم سے عقائد اسلام کا علم حاصل ہوتا ہے، اور عقائد اسلام ہی اشرف ہیں۔ اس علم کی غایت دنیوی اور اخروی سعادتوں کو جمع کرنا ہے، اس علم کے دلائل قطعیہ ہیں اور دلائل سمعیہ سے ان کی تائید بھی ہے۔

(ب) وجوہ خمسہ کی بنا پر جب علم کلام کو فوقیت حاصل ہے تو پھر اسلاف نے اس کی مذمت کیوں کی؟

آپ اس کا مفصل جواب تحریر کریں؟

جواب: سلف کے کلام میں جو مذمت منقول ہے، وہ علی الاطلاق نہیں۔ اس کی دو وجوہ ہیں:

پہلی وجہ:

علم الکلام فی نفسہ (جب وہ فلسفہ سے خالی ہو) اَشرف العلوم ہے۔ پھر شارح نے پانچ وجوہ سے علم کلام کی فضیلت بیان کی ہے: ☆ یہ علم ''احکام شرعیہ'' کے لیے بنیاد ہے۔ ☆ تمام علوم دینیہ کا سردار ہے۔ ☆ اس علم سے عقائد اسلام کا علم حاصل ہوتا ہے اور عقائد اسلام ہی اشرف ہیں۔ ☆ اس علم کی غایت دنیوی اور اخروی سعادتوں کو جمع کرنا ہے۔ اس علم کے دلائل قطعیہ ہیں اور دلائل سمعیہ سے ان کی تائید بھی ہے۔

دوسری وجہ:

سلف صالحین کی ممانعت چار اشخاص کے لیے ہے: (۱) جو متعصب فی الدین ہو، حق معلوم ہونے کے بعد بھی حق کو قبول نہ کرے۔ (۲) کم فہم شخص جو مسائل سمجھ نہ سکتا ہو کہ وہ شکوک وشبہات میں مبتلا ہوگا۔ (۳) وہ شخص جو دیگر عام مسلمانوں کو شکوک میں ڈالنا چاہتا ہو۔ (۴) جو شخص فلاسفہ کی بے فائدہ موشگافیوں میں دلچسپی رکھتا ہو۔

سوال نمبر3: **حقائق الاشياء ثابتة حقيقة الشيء وماهيته ما به الشيء هو هو كالحيوان الناطق للانسان بخلاف مثل الضاحك والكاتب مما يمكن تصور الانسان بدونه فانه من العوارض**

(الف) مذکورہ عبارت کا سلیس اردو میں ترجمہ کریں؟

جواب: ترجمہ عبارت: حقائق اشیاء ثابت ہیں جس چیز کے بغیر کسی چیز کا تصور نہ ہو سکے وہ اس کی حقیقت ہے، جس طرح انسان کی حقیقت حیوان ناطق ہے اور جس چیز کے بغیر اس چیز کا تصور ہو سکے وہ اس کے عوارض کہلاتے ہیں جیسے انسان کے لیے ہنسنا اور لکھنا۔

(ب) سوفسطائیہ کا معنی لکھیں نیز خط کشیدہ کے بارے میں سوفسطائیہ کے تینوں فرقوں کے عقائد بیان کریں؟

سوفسطائیہ کا معنی:

''سوف'' کا معنی ''علم وحکمت'' ہے اور ''سطائیہ'' کا معنی ہے ''من گھڑت'' لہٰذا سوفسطائیہ نام حکمة مموهة اور علم مزخرف کا یعنی ملمع سازی کی حکمت علم (مثلاً پیتل پر سونے کا پانی چڑھانا)

تینوں فرقوں کے عقائد

۱-عنادیہ کا عقیدہ:

یہ حقائق الاشیاء کا انکار کرتے ہیں اور ان حقائق کو اوہام اور خیالات باطلہ گمان کرتے ہیں۔

۲-عندیہ کا عقیدہ:

یہ حقائق کے ثبوت کا انکار کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ اعتقاد کے تابع ہیں، اگر ہم کسی چیز کے جوہر ہونے کا اعتقاد کریں گے تو وہ جوہر ہوگا یا عرض کا ہونے کا اعتقاد کریں گے تو وہ عرض ہوگا۔

۳-لاادریہ کا عقیدہ:

یہ ثبوت وعدم ثبوت شیء کے علم کا انکار کرتے ہیں، شیء کے ثبوت وعدم ثبوت میں شک کرتے ہیں اور اپنے اس شک میں بھی شک کرتے ہیں۔

سوال نمبر4: **ولا يخرج عن علمه وقدرته شيء لان الجهل بالبعض والعجز عن البعض نقص وافتقار الى مخصص مع ان النصوص القطعية ناطقة بعموم العلم وشمول القدرة فهو بكل شيء عليم وعلى كل شيء قدير.**

(الف) عبارت مذکورہ بالا کی تشریح وتوضیح قلمبند کریں؟

جواب: عبارت کی تشریح وتوضیح:

اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت سے کوئی شیء باہر نہیں، یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی ذات پر زائد ہیں۔ عبارت میں ''شیء''، علم وقدرت دونوں کے لیے ثابت ہے لیکن علم کے لیے ''شیء'' اور ہے اور قدرت کے لیے ''شیء'' اور ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ''مقدورات'' سے زیادہ ہے، ذات وصفات اور محال ''معلومات'' تو ہیں لیکن مقدورات نہیں۔ مقدور ہر وہ ''شیء'' ہے جو ممکن ہو۔ عبارت میں اختصار کی وجہ سے علم وقدرت کو جمع کر دیا۔ محال مقدور نہیں اور اس پر عدم قدرت نقص نہیں، اس لیے کہ محالات کے ساتھ ارادہ کا تعلق محال ہے تو یہ عجز بھی نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت سے کوئی ''شیء'' باہر ہو تو یوں جہل بالبعض اور عجز عن البعض لازم آئے گا یہ نقص وافتقار ہے جبکہ نصوص قطعیہ علم کے عموم اور قدرت کے شمول پر ناطق ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کے بارے میں فلاسفہ، دہریہ، ابوالقاسم بلخی اور معتزلہ کا مذہب بیان کریں؟

جواب: فلاسفہ کا مذہب:

ان کا اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات مادیہ کو نہیں جانتا جبکہ جزئیات

مجردہ کو جانتا ہے جیسے عقول ونفوس۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ان کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سے زیادہ پر
قادر نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ من کل الوجوہ واحد ہے اور واحد سے صرف واحد صادر ہوتا ہے۔

دہریہ کا مذہب:

دہریہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو نہیں جانتا، ان کی دلیل یہ ہے کہ علم عالم اور معلوم کے درمیان
ایک نسبت ہے اور نسبت تغائر طرفین کو چاہتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر تغائر اعتباری کافی ہے
جیسے کہ ہمیں ہمارے نفوس کا علم ہے۔

ابوالقاسم البلخی کا مذہب:

بلخی کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے مقدور کی مثل پر قادر نہیں (یعنی بندہ جس پر قادر ہے اس کی
مثل پر اللہ تعالیٰ قادر نہیں) ورنہ بندہ کا اللہ کے مماثل ہونا لازم آئے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اللہ
تعالیٰ نے جواہر کو حرکت دی اور پھر بندے نے دی تو بالکل ظاہر ہے کہ یہ دونوں حرکتیں ماہیت میں مختلف
ہیں۔ جواب یہ ہے کہ اللہ کی قدرت ازلی اور قدیم ہے اور بندہ کی قدرت ممکن اور حادث ہے، اس وجہ سے
مماثلت ممکن نہیں ہے۔

معتزلہ کا مذہب:

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نفس مقدور عبد پر قادر نہیں، یعنی جو بندے کا عین فعل ہے۔ ان کی دلیل
ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرے کہ بندے میں یہ فعل پایا جائے اور بندہ اس ارادہ کے عدم کا ارادہ کرے۔ تو
دونوں واقع ہوئے تو اجتماع نقیضین ہوگا اور اگر نہ پائے گئے تو ارتفاع نقیضین ہوگا اور اگر ایک پایا گیا
ایک کو قدرت نہ ہوگی اور ہم نے فرض کیا تھا کہ بندہ قادر ہے۔

جواب: بندے کی قدرت تاثیر نہیں بلکہ اس کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے
اگر ہم تمہاری بات مانیں بھی تو ہم کہتے ہیں کہ بندے کی قدرت سے قدرت حق اقوی ہے تو اسی کا مقدور
واقع ہوگا اور عبد کی قدرت کی نفی نہیں آتی بلکہ اس کا عجز ہے اور بندے کا عجز محال نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(الف) مذکورہ عبارت کا ترجمہ کریں اور مناسخہ کا اصطلاحی معنی بیان کریں؟ ۱۰+۵=۱۵

(ب) مذکورہ صورت کے بارے میں قاعدہ کلیہ کی مثال دے کر وضاحت کریں؟ ۱۵

سوال نمبر 5: درج ذیل میں سے کوئی پانچ مسائل حل کریں؟

(الف) مـــــــیـــــــت

بنت — بنت الابن — اخت عینی — اخت عینی

(ب) مـــــــیـــــــت

اخت علاتی — ابن

(ج) مـــــــیـــــــت

زوج — ام — جد

(د) مـــــــیـــــــت

زوج — اخت عینی — اختان اخیافی

(ھ) مـــــــیـــــــت

زوجہ — بنتان — اب — ام

(و) مـــــــیـــــــت

ام — ام الام — عم

☆☆☆☆☆☆

درجہ عالیہ (سال اول) برائے طلباء بابت 2018ء

دوسرا پرچہ: علم الفرائض

سوال نمبر 1: (الف) علم فرائض کی اہمیت پر دلالت کرنے والی کوئی ایک آیت مبارکہ اور ایک حدیث شریف تحریر کریں؟

جواب: آیت مبارکہ: اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ ج لَا تَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا ج فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًاo

ترجمہ: تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کون ان میں سے زیادہ قریب ہے تمہیں نفع پہنچانے میں، یہ حصے مقرر ہیں اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا بڑا دانا ہے۔

حدیث شریف: **تعلموا الفرائض وعلموھا الناس فانھا نصف العلم**

ترجمہ: تم علم فرائض کو سیکھو اور اسے لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ یہ نصف علم ہے۔

(ب) فرائض کا لغوی واصطلاحی معنی اور ان کے مابین مطابقت بیان کریں؟

جواب: **فرائض کا لغوی واصطلاحی معنی:**

''فرائض'' جمع ہے ''فریضۃ'' کی ''فریضۃ'' کا معنی ''فرض'' اور مقرر کردہ حصہ ہے۔ اصطلاح میں علم فرائض اس علم کو کہتے ہیں جس سے ورثاء کے شرعی طور پر مقررہ حصص کی کامل طور پر معرفت حاصل ہو۔ خواہ وہ حصہ بطور ''فرض'' ہو یا ''عصبہ'' ہو یا بطور ''رد''۔

(ج) علم فرائض کو نصف علم قرار دینے کی کوئی دو وجوہ قلمبند کریں؟

جواب: **علم فرائض کو نصف علم کہنے کی دو وجوہات:**

پہلی وجہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے علم فرائض کو نصف علم قرار دیتے ہوئے فرمایا:

تعلموا الفرائض وعلموھا الناس فانہ نصف العلم

''تم علم فرائض حاصل کرو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دو، کیونکہ یہ نصف علم ہے۔''

دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

تعلموا الفرائض فانھا من دینکم

''تم علم فرائض حاصل کرو، کیونکہ یہ تمہارے دین کا حصہ ہے۔''

دوسری وجہ: انسان کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں ۱- زندگی، ۲- وفات۔ زندگی میں دیگر علوم کی ضرورت پڑتی ہے جبکہ علم میراث وفات کے ساتھ خاص ہے، اس لیے علم فرائض کو نصف علم قرار دیا گیا ہے۔

سوال نمبر 2: (الف) قرآن مجید میں مذکور مقررہ حصے اور ان کے مستحقین کے نام سپرد قلم کریں؟

جواب: **قرآن مجید میں مذکور مقررہ حصص کی تعداد و نام:**

قرآن مجید میں چھ معین حصوں کا ذکر کیا گیا ہے:

۱- نصف 1/2، ۲- ربع 1/4، ۳- ثمن 1/8

ان تینوں حصوں کو نوع ''اول'' کہتے ہیں۔

۴- ثلثان 2/3، ۵- ثلث 1/3، ۶- سدس 1/6

ان تین معین حصوں کو ''نوع ثانی'' کہتے ہیں۔

مستحقین حصص:

مندرجہ بالا چھ حصوں کے مستحق حضرات کل بارہ ہیں جن میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں۔ ا

حضرات کا حصہ کتاب وسنت اور اجماع امت کے حوالے سے مقرر ہے۔ چار مرد یہ ہیں:

۱- باپ، ۲- جد صحیح، ۳- خیفی بھائی، ۴- خاوند

آٹھ عورتیں یہ ہیں:

۱- بیوی، ۲- والدہ، ۳- جدہ صحیحہ، ۴- پوتی، ۵- اخوات شقیقہ، ۶- اخوات ابویہ، ۷- اخوات امیہ، ۸- بیٹی

(ب) جد صحیح اور جدہ صحیحہ میں سے ہر ایک کی وضاحت کریں اور جدہ صحیحہ کے حالات ذکر کریں؟

جواب: جد صحیح:

جد صحیح اس شخص کو کہتے ہیں جب میت کی طرف اس کی نسبت کی جائے تو درمیان میں میت کی والدہ کا واسطہ نہ آئے جیسے میت کے باپ کا باپ یعنی ''دادا''

جدہ صحیحہ:

جدہ صحیحہ اس عورت کو کہتے ہیں جب میت کی طرف اس کی نسبت کی جائے تو درمیان میں جد فاسد کا واسطہ نہ ہو جیسے باپ کی والدہ یعنی ''دادی'' اور والدہ کی والدہ یعنی ''نانی''

جدہ صحیحہ کے حالات:

جدہ صحیحہ کی دو حالتیں ہیں:

☆ پہلی حالت: پہلی حالت سدس (1/6) ہے۔ (خواہ جدہ صحیحہ ایک ہو یا متعدد ہوں اور اگر متعدد ہوں تو درجہ میں مساوی ہوں)

اس کی ایک شرط ہے وہ یہ ہے کہ جدہ صحیحہ کا کوئی حاجب موجود نہ ہو۔

☆ دوسری حالت: دوسری حالت محجوب ہونا ہے لیکن اس کے لیے ایک شرط ہے: وہ یہ ہے کہ جدہ امیہ کا کوئی حاجب موجود ہو۔

سوال نمبر3: (الف) **یحتاج فی تصحیح المسائل الی سبعة أصول ثلثة بین السهام والرؤس واربعة بین الرؤس والرؤس**

حدیث کا ترجمہ کریں اور پہلے تین اصول میں سے کسی دو کی وضاحت کریں؟

جواب: ترجمہ حدیث: تصحیح مسئلہ کی ضرورت پیش آئے گی، تصحیح مسئلہ سے متعلق کل سات قوانین ہیں، ان میں سے تین قوانین کا تعلق سہام (حصص) اور رؤوس (حصے دار) کے عدد میں نسبت دینے کے متعلق ہے اور باقی چار کا تعلق رؤوس اور رؤوس میں نسبت دینے کے متعلق ہے۔

دو قوانین کی وضاحت:

پہلا قانون: اگر کسی مسئلہ میں ہر فریق کو حصہ بلا کسر حاصل ہو رہا ہو یعنی اس فریق کے حصے داروں اور

حصوں میں تماثل کی نسبت ہو تو پھر تصحیح مسئلہ کی ضرورت نہیں ہے۔ مندرجہ ذیل مثال میں ہر فریق کو اس کا حصہ بلا کسر مل رہا ہے، لہٰذا تصحیح مسئلہ کی ضرورت نہیں ہے:

(مسئلہ 6)

میت

والد	والدہ	4 بیٹیاں
1/6+عصبہ	1/6	2/3
1	1	4

دوسرا قانون: اگر کسی مسئلہ میں فقط ایک فریق پر کسر واقع ہو اور باقی دوسرے فریقوں کے حصوں میں کسر واقع نہ ہو تو پھر جس فریق پر کسر واقع ہوئی ہے اس فریق کے رؤوس کو اس کے سہام کے ساتھ نسبت دے کر دیکھیں گے کہ ان میں توافق و تداخل کی نسبت ہے یا تباین کی نسبت ہے۔ اگر توافق و تداخل کی نسبت ہو تو پھر رؤوس کے وفق کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں یا عول میں ضرب دیں (جبکہ مسئلہ عولی ہو) تو حاصل ضرب تصحیح مسئلہ ہوگا۔ پھر وفق رؤوس کو ہر حصہ دار کے حصہ کے ساتھ ضرب دیں تو ہر حصہ دار کا حصہ بھی معلوم ہو جائے گا مثلاً

(مسئلہ 6) تصحیح 30

میت

والد	والدہ	10 بیٹیاں
1/6 عصبہ	1/6	2/3
1	1	4
5	5	20

(ب) **والرابع ان تکون الاعداد متباینة لا یوافق بعضها بعضا فالحکم فیها ان یضرب احد الاعداد فی جمیع الثانی ثم ما بلغ فی جمیع الثالث ثم ما بلغ فی جمیع الرابع ثم ما اجتمع فی اصل المسئلة**

مذکورہ عبارت میں اصول تصحیح میں سے آخری اصل بیان کی جارہی ہے، آپ مثال دے کر اس کی وضاحت کریں؟

جواب: تصحیح کے آخری قانون کی وضاحت:

جب متاثرہ فریقوں کے رؤوس کی آپس میں نسبت تباین کی ہو تو ایسی صورت میں جمیع رؤوس کو دوسرے فریق کے جمیع رؤوس کے ساتھ ضرب دیں گے، جو حاصل ضرب ہو اس کو اگلے فریق کے جمیع رؤوس کے ساتھ ضرب دیں گے، پھر اس سے جو حاصل ضرب ہوگا اس کو اگلے فریق کے جمیع رؤوس کے ساتھ ضرب دیں گے۔ ان سے جو حاصل ضرب آئے گا اس کو اگلے فریق کے جمیع رؤوس کے ساتھ ضرب دی

گے۔ اسی طرح تمام رؤوس کے ساتھ کریں گے پھر جب جمیع رؤوس پورے ہو جائیں گے تو جو حاصل ضرب ہوگا اس کو اصل مسئلہ سے ضرب دیں گے اور پھر حسب سابق تمام سہام کو اسی عدد سے ضرب دے کر سہام تقسیم کردیں گے۔

مثال:

(مسئلہ 24) تصحیح 5040 میت

2 بیویاں	6 جدات	10 بیٹیاں	7 چچے
1/8	1/6	2/3	عصبہ
3	4	16	1
630	840	3360	210

سوال نمبر 4: ولو صار بعض الأنصباء ميراثا قبل القسمة كزوج وبنت وأم فمات الزوج قبل القسمة عن امرأة وأبوين ثم ماتت البنت عن ابنين وبنت وجدة ثم ماتت الجدة عن زوج وأخوين

(الف) مذکورہ عبارت کا ترجمہ کریں اور مناسخہ کا اصطلاحی معنی بیان کریں؟

جواب: ترجمہ عبارت: اگر میراث تقسیم ہونے سے پہلے میت اول اور میت ثانی الگ الگ ہو جائیں تو جیسے کسی عورت نے شوہر، بیٹی اور ماں چھوڑی، پھر تقسیم سے پہلے ہی زوج مرگیا اور اس نے ورثاء میں بیوی ماں اور باپ چھوڑے۔ پھر بیٹی بھی تقسیم سے پہلے مرگئی اور اس نے دو بیٹے، ایک بیٹی اور نانی چھوڑی پھر یہ نانی بھی قبل از تقسیم فوت ہوگئی اور اس نے ورثاء میں شوہر اور دو بھائی چھوڑے۔

مناسخہ کا اصطلاحی معنی:

اصطلاحِ اہلِ فرائض میں ''کسی وارث کے قبل از تقسیم مرنے کی وجہ سے اس کے حصہ کا اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوجانا'' مناسخہ کہلاتا ہے۔

(ب) مذکورہ صورت کے بارے میں قاعدہ کلیہ کی مثال دے کر وضاحت کریں؟

جواب: اس میں اولاً میت اول کی تصحیح کریں گے اور اس کے ورثاء کو سہام دیں گے، پھر میت ثانی کی تصحیح کریں گے اور دیکھیں گے کہ اس میت ثانی کو میت اول کی تصحیح سے جو سہام ملے تھے اس کی نسبت اس تصحیح ثانی کے ساتھ تماثل کی ہے، توافق کی یا تباین کی۔ اگر نسبت تماثل کی ہو یعنی میت اول کی تصحیح سے جو اس کو ملا تھا وہ اس کے ورثاء میں پورا پورا تقسیم ہو رہا ہے تو پھر کسی دیگر ضرب کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ یہاں تصحیح اول اصل مسئلہ کے قائم مقام ہوگی اور تصحیح ثانی بمنزل رؤوس کے ہوگی اور میت ثانی کے ہاتھ میں میت اول

ے ملے ہوئے جو سہام ہیں وہ ایسے ہیں جیسے اصل مسئلہ سے کسی فریق کے سہام ہوتے ہیں۔ پس میت ثانی کا مافی الید اس کے ورثاء میں پورا پورا تقسیم ہونے کی صورت میں وہی پہلی تصحیح ہی دونوں کے سہام تقسیم کرنے کے لیے کافی ہوگی۔

مثال:

مسئلہ 4 بالرد 128=4x32=2x16 میت

شوہر	بیٹی	ماں
ربع (اقل مخرج)	نصف	ثلث
۳۲=۴x۸=۲x۴	۷۲=۴x۱۸=۲x۹	۲۴=۴x۶=۲x۳

سوال نمبر 5: درج ذیل میں سے کوئی پانچ مسائل حل کریں۔

(الف) میت

بنت — بنت الابن — اخت عینی — اخت عینی

(ب) میت

اخت علاتی — ابن

(ج) میت

زوج — ام — جد

(د) میت

زوج — اخت عینی — اختان اخیافی

(ہ) میت

زوجہ — بنتان — اب — ام

(و) میت

ام — ام الام — عم

جواب:

(الف) میت مسئلہ 6

بنت	بنت الابن	اخت عینی	اخت عینی
1/2	1/6	عصبہ	
3	1	2	

(ب) میـــــــت مسئلہ 1

اخت علاتی	ابن
محجوب	1

(ج) میـــــــت مسئلہ 6

زوج	ام	جد
1/2	1/3	عصبہ
3	2	1

(د) میـــــــت مسئلہ 6 عول 8

زوج	اخت عینی	اختان اخیافی
1/2	1/2	1/3
3	3	2

(ھ) میـــــــت مسئلہ 24

زوجہ	بنتان	اب	ام
1/8	2/3	1/6+عصبہ	1/3
3	8	1+4	8

(و) میـــــــت مسئلہ 3

ام	ام الام	عم
1/3	محجوب	عصبہ
1	0	2

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قسم ثانی......اصول فقہ

سوال نمبر4: والتمثیل بالمرکبة من عدة امور لاینافی کون بعض الماھیات الاعتباریة بسائط علی ان الحق انھا انما یقال لھا الامور الاعتباریة لا الماھیات الاعتباریة .

(الف) درج بالا عبارت پر اعراب لگائیں اور ترجمہ کریں؟ ۵+۵=۱۰

(ب) مذکورہ عبارت ایک وہم کا جواب ہے، آپ وہ وہم ذکر کرنے کے بعد جواب کی وضاحت کریں؟ ۸+۷=۱۵

سوال نمبر5: وشرط لکلا التعریفین الطرد ای کل ما صدق علیه الحد صدق علیه المحدود والعکس ای کل ما صدق علیه المحدود صدق علیه الحد .

(الف) ترجمہ کرنے کے بعد طرد وعکس کا لغوی معنی سپرد قلم کریں؟ ۵+۵=۱۰

(ب) تلویح کی روشنی میں مذکورہ عبارت کی تشریح وتوضیح قلمبند کریں؟ ۱۵

سوال نمبر6: اعلم انی لما وقعت فی مباحث الموضوع والمسائل اردت ان اسمعك بعض مباحثها التی لایستغنی المحصل عنها وان کان لایلیق بھذا الفن منها انھم قد ذکروا ان العلم الواحد قدیکون له اکثر من موضوع واحد .

(الف) عبارت کا ترجمہ کریں اور تلویح کی روشنی میں موضوع علم کی وضاحت کریں؟ ۵+۵=۱۰

(ب) کیا علم واحد کے متعدد موضوع ہو سکتے ہیں؟ اس حوالے سے صاحب توضیح کی بیان کردہ تحقیق سپرد قلم کریں؟ ۱۵

☆☆☆☆☆☆

درجہ عالیہ (سال اول) برائے طلباء بابت 2018ء

تیسرا پرچہ: فقہ واصول فقہ

﴿حصہ اوّل: فقہ﴾

سوال نمبر1: الشفعة واجبة للخلیط فی نفس المبیع ثم للخلیط فی حق المبیع کالشرب والطریق ثم للجار افاد ھذا اللفظ ثبوت حق الشفعة لکل واحد من ھؤلاء أفاد الترتیب .

(الف) عبارت کا ترجمہ اور شفعہ کی وجہ تسمیہ سپرد قلم کریں؟

(ب) اگر چند شفعاء جمع ہو جائیں تو ان کے درمیان شفعہ کیسے تقسیم ہوگا؟ احناف وشوافع کا مذہب مع الدلائل لکھیں۔

جواب: (الف) ترجمہ عبارت: (حضرت امام قدوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) شفعہ نفس مبیع میں شریک شخص کے لیے ثابت ہوتا ہے، پھر حق مبیع میں شریک شخص کے لیے جیسے پانی اور راستہ۔ پھر پڑوسی کے لیے حق شفعہ ہوگا۔ حضرت امام قدوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس لفظ نے مذکورین میں سے ہر ایک کے لیے حق شفعہ کے ثبوت اور ترتیب دونوں کا فائدہ دیا۔

شفعہ کی وجہ تسمیہ:

چونکہ شفعہ میں ملانے کا مفہوم پایا جاتا ہے اور شفیع بھی مبیع کو حق شفعہ کے طور پر لے کر اسے اپنی زمین کے ساتھ ملا دیتا ہے، اس لیے شفعہ کو شفعہ کہا جاتا ہے۔

(ب) چند شفعاء جمع ہونے سے شفعہ کے تقسیم کرنے کی ترتیب اور آئمہ کے دلائل:

جب کسی معاملہ میں چند شفعاء جمع ہو جائیں تو احناف کے نزدیک سب سے پہلے نفس مبیع میں شریک کو حق شفعہ دیا جائے گا، پھر حق مبیع میں شریک کو اس کا حقدار قرار دیا جائے گا مثلاً پانی اور راستہ وغیرہ اور تیسرے نمبر پر ہمسائیگی کی بنیاد پر حق شفعہ دیا جائے گا۔ اس بارے میں ان کی دلیل یہ ارشاد گرامی ہے:
الشفعة لشریك لم یقاسم یعنی شفعہ اس شریک کے لیے ہے جس نے بٹوارا نہ کیا ہو۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ پڑوسی کی بناء پر شفعہ نہیں ملتا، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شفعہ غیر مقسوم چیزوں میں ہے۔ جب حدود مقرر ہو گئے اور راستے مقرر ہو گئے تو شفعہ نہیں ملے گا۔ ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ حق شفعہ کا ثبوت قضائے قیاس کے مخالف ہے، کیونکہ شفعہ میں دوسرے کے مال پر اس کی رضامندی کے بغیر قبضہ جمانا ہوتا ہے اور قیاس اس بات کو صحیح نہیں سمجھتا۔ قیاس کا تقاضا ہے کہ شفعہ کسی کے لیے بھی ثابت نہ ہو مگر بٹوارے کی پریشانی کے پیش نظر شریک فی عین المبیع کے لیے شفعہ کو ثابت مانا گیا ہے، کیونکہ اس صورت میں شفیع کو بٹوارے کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ رہی یہ بات کہ شرکت فی حق المبیع اور جوار کا، تو پہلے میں اگرچہ شرکت رہتی ہے، مگر تقسیم کی وجہ سے علت شفعہ اس میں معدوم ہے اور دوسرے میں سرے سے شرکت ہی نہیں رہتی، چہ جائیکہ اس میں بٹوارے کی تقسیم کا ضرر لازم آئے۔ لہٰذا جس میں یہ ضرر ہو، ہم اس میں شفعہ کے قائل ہیں، جس میں یہ ضرر نہ ہو ہمارے نزدیک اس میں شفعہ نہیں ہے۔

سوال نمبر2: وان ترك الذابح التسمیة عامدا فالذبیحة میتة لا تؤکل وان ترکھا ناسیا أکل وقال الشافعی أکل فی الوجھین وقال مالك لاتؤکل فی الوجھین .

(الف) مذکورہ عبارت کا ترجمہ کریں اور تشریح اس انداز سے کریں کہ مسئلہ کی وضاحت ہو جائے؟

(ب) ذکر کردہ مسئلہ میں تینوں آئمہ کے دلائل سپر دقلم کریں؟

جواب: (الف) ترجمہ حدیث: اور اگر جانور ذبح کرنے والے نے عمداً بسم اللہ ترک کردی تو وہ جانور میت (مردار) ہوگا جو کھایا نہیں جائے گا۔ اگر بھول کر بسم اللہ پڑھنا چھوٹ گئی تو اس کا گوشت کھایا جائے گا۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دونوں صورتوں میں گوشت کھایا جائے گا اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دونوں صورتوں میں جانور کا گوشت نہیں کھایا جائے گا۔

عبارت کی وضاحت:

اس عبارت میں جانور کو ذبح کے وقت بسم اللہ عمداً یا نسیاً ترک کرنے کے حوالے سے آئمہ ثلاثہ کے مذاہب بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت عمداً بسم اللہ ترک کرنے سے جانور کا گوشت نہیں کھایا جائے گا، بھول کر ترک کرنے سے گوشت کھایا جائے گا۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں صورتوں میں گوشت کھایا جائے گا اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں صورتوں میں گوشت نہیں کھایا جائے گا۔

(ب) مسئلہ مذکورہ میں آئمہ فقہ کے دلائل:

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کیا ہے: مسلمان خواہ تسمیہ کہے یا نہ کہے وہ اللہ کے نام پر ہی ذبح کرتا ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے کثیر دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان جانوروں کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے، جن پر ذبح کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے احناف کے ظاہر سے استدلال کیا ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل نص قطعی ہونے کی وجہ سے قوی ہے۔

سوال نمبر 3: الاضحية واجبة علی كل حر مسلم مقيم موسر في يوم الاضحى عن نفسه وعن ولده الصغار.

(الف) عبارت کا ترجمہ کریں اور اضحیہ کا لغوی واصطلاحی معنیٰ قلمبند کریں؟

(ب) مذکورہ اوصاف جس شخص میں پائے جائیں اس پر قربانی کرنا واجب ہے یا سنت؟ اقوال آئمہ مع دلائل نقلیہ وعقلیہ تحریر کریں؟

جواب: (الف) ترجمہ عبارت: ہر آزاد، مسلمان، مقیم اور مالدار پر قربانی کے دنوں میں اپنی اور اپنی چھوٹی اولاد کی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے۔

اضحیہ کا لغوی واصطلاحی معنیٰ:

لغوی معنیٰ: لفظ ''اضحیہ'' کا لغوی معنیٰ ہے: قربانی کے دنوں میں بطور قربانی ذبح کیے جانے والا جانور۔

شرعی واصطلاحی معنیٰ: مخصوص جانور کو مخصوص ایام میں تقرب کی نیت سے ذبح کرنے کو ''اضحیہ'' کہا جاتا ہے۔

(ب) قربانی کی شرعی حیثیت میں مذاہب آئمہ:

مسلم، آزاد، مقیم اور مالدار پر ایام قربانی میں قربانی کرنا واجب ہے یا سنت؟ اس بارے میں اختلاف آئمہ کا ہے۔ حضرات طرفین، امام زفر اور حضرت حسن رحمہم اللہ تعالیٰ کے یہاں اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت کے مطابق قربانی واجب ہے۔ جس شخص میں قربانی کے اوصاف جمع ہوں، اسے اپنی جانب سے اور اپنی زیر تربیت چھوٹی اولاد کی طرف سے ایام اضحیہ میں قربانی کرنا واجب ہے۔ وجوب کی دلیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے: جو شخص وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے، وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ غیر واجب کے ترک پر اس طرح کی وعید لاحق نہیں ہوتی۔ لہٰذا قربانی ایسی عبادت ہے جس کی طرف اس کا وقت منسوب ہوتا ہے اور اسے یوم اضحیہ کہا جاتا ہے۔ یہ اضافت وجوب پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اضافت کا مقصد اختصاص ہے اور اختصاص وجوب کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ قربانی کرنا سنت ہے، انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے: جو شخص قربانی کرنا چاہتا ہو تو وہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے سے لے کر قربانی کرنے تک اپنے جسم کے کسی حصہ سے بال نہ ترشوائے۔ ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر مقیم پر قربانی واجب ہوتی تو مسافر و مقیم کے درمیان کوئی امتیاز نہ ہوتا، جس طرح زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور مقیم و مسافر دونوں پر یکساں فرض ہے، اسی طرح قربانی بھی واجب ہوتی تو دونوں پر فرض ہوتی جبکہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا مقیم پر بھی قربانی واجب نہیں ہے۔

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کی دلیل قوی ہے، جو وجوب پر دلالت کرتی ہے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دلیل ضعیف ہے۔ لہٰذا قوی روایت کے حکم وجوب پر عمل کیا جائے گا اور اسے ترجیح حاصل ہوگی۔

﴿حصہ دوم: اصول فقہ﴾

سوال نمبر 4: وَالتَّمْثِيْلُ بِالْمُرَكَّبَةِ مِنْ عِدَّةِ اُمُوْرٍ لَايُنَافِيْ كَوْنَ بَعْضِ الْمَاهِيَّاتِ الْاِعْتِبَارِيَّةِ بَسَائِطَ عَلٰى اَنَّ الْحَقَّ اَنَّهَا اِنَّمَا يُقَالُ لَهَا الْاُمُوْرُ الْاِعْتِبَارِيَّةُ لَا الْمَاهِيَّاتُ

الاعتباریۃ۔

(الف) درج بالا عبارت پر اعراب لگائیں اور ترجمہ کریں؟

(ب) مذکورہ عبارت ایک وہم کا جواب ہے، آپ وہ وہم ذکر کرنے کے بعد جواب کی وضاحت کریں؟

جواب: (الف) عبارت پر اعراب اور ترجمہ عبارت:

عبارت پر اعراب اوپر لگا دیے گئے ہیں اور ترجمہ حسب ذیل ہے:

کئی امور سے مرکب کی مثال بیان کرنا یہ کچھ ماہیات اعتباریہ کے بسطیہ ہونے کے منافی نہیں ہے، کیونکہ بسائط کو امور اعتباریہ کہا جاتا ہے نہ کہ ماہیات اعتباریہ۔

(ب) ایک وہم اور اس کے جواب کی وضاحت:

مندرجہ بالا عبارت ایک وہم کا جواب ہے، وہ وہم اور اس کے جواب کی وضاحت درج ذیل ہے:

الوہم: وہم یہ تھا کہ ماہیات معتبرہ محض مرکبات کے ساتھ خاص ہیں، تو التمثیل سے مصنف نے اس وہم کے دو جواب دیے ہیں:

۱- یہ تمثیل مقصود کے زیادہ مناسب تھی اس لیے اس کو بیان کیا اگرچہ بعض ماہیات اعتباریہ بسیط ہیں۔

۲- بسائط کو ماہیات اعتباریہ نہیں بلکہ امور اعتباریہ کہا جاتا ہے، لٰہذا ماہیات اعتباریہ کا اطلاق مرکب پر بھی کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر5: **وشرط لکلا التعریفین الطرد ای کل ما صدق علیه الحد صدق علیه المحدود والعکس ای کل ما صدق علیه المحدود صدق علیه الحد۔**

(الف) ترجمہ کرنے کے بعد طرد و عکس کا لغوی معنی سپرد قلم کریں؟

(ب) تلویح کی روشنی میں مذکورہ عبارت کی تشریح وتوضیح قلمبند کریں؟

جواب: (الف) ترجمہ عبارت: اور دونوں تعریفوں (حقیقی ورسمی) کے لیے مطرد (مانع عن دخول الغیر) ہونا شرط ہے یعنی جہاں حد (تعریف) صادق آئے، وہ محدود (معرف) بھی صادق آئے اور عکس (اپنے تمام افراد کو جامع) ہونا بھی شرط ہے۔ یعنی جہاں محدود صادق آئے وہاں حد بھی صادق آئے۔

طرد اور عکس کا لغوی معنی:

طرد کا معنی یہ ہے کہ جس چیز پر حد صادق آئے، اس پر محدود بھی صادق آئے یعنی جہاں حد پائی جائے، وہاں محدود بھی پایا جائے۔ لفظ عکس کے دو معانی ہیں: (۱) بعض نے عکس کا معنی کیا ہے عکس طرد۔

(۲) بعض نے معنی کیا ہے، عکس اثبات۔ اب عکس طرد کا معنی ہوا: موضوع کو محمول اور محمول کو موضوع بنانا مثلاً کلما صدق علیه الحد صدق علیه المحدود کا عکس ہے: کلما صدق علیه المحدود صدق علیه الحد۔ اسی طرح کل انسان ضاحك اور بالعکس کل ضاحك انسان۔ دوسرا معنی ہے: عکس اثبات مثلاً کلما صدق علیه الحد صدق علیه المحدود اور اس کا عکس ہے: اذا انتفی الحد انتفی المحدود مگر عکس کے دونوں معانی کا حاصل ایک ہی ہے کہ تعریف اپنے افراد کے لیے جامع ہو۔

(ب) عبارت کی توضیح وتشریح:

ماہیت کی دو اقسام ہیں:

۱- ماہیت حقیقی: وہ ماہیات ہیں جن میں انسانی صنع کا دخل نہ ہو جیسے انسان، گھوڑا اور گدھا وغیرہ۔

۲- ماہیت اعتباریہ: یہ وہ ماہیات ہیں جن میں انسانی صنع کا دخل ہوتا ہے مثلاً مختلف اشیاء کو مرکب کر کے پھر ان کا کوئی نام تجویز کر دیا۔

ان سب چیزوں کی وضع میں انسان کا دخل ہے۔ ماہیات حقیقیہ کی جب تعریف کی جاتی ہے وہ حد حقیقی ہوتی ہے اور اس کے مقابلہ میں ماہیات اعتباریہ کی تعریف ہے جو حد رسمی ہوتی ہے۔ اب تعریف خواہ ماہیات حقیقیہ کی ہو یا ماہیات اعتباریہ کی، دونوں قسموں کے لیے طرد اور عکس ضروری ہے۔

طرد کا معنی ہے: دخول غیر سے مانع ہونا اور عکس کا معنی ہے: اپنے افراد کے لیے جامع ہونا۔ اب طرد: کلما صدق علیه الحد صدق علیه المحدود یعنی جس چیز پر حد صادق ہو اس چیز پر محدود کا صادق ہونا بھی ضروری ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر مانعیت نہیں ہوگی جیسے انسان کی تعریف با ایں الفاظ کی جائے: "حیوان ماش" اب یہ تو گدھے پر بھی صادق آئے گی لیکن محدود پر صادق نہیں ہے۔ اسی طرح عکس کا معنی ہے: "کلما صدق علیه المحدود صدق علیه الحد" یعنی جس پر محدود صادق ہو اس پر حد بھی صادق ہو، اگر ایسا نہیں تو پھر جامعیت نہیں رہے گی جیسے انسان کی تعریف میں کہا جائے: کاتب بالفعل۔ اب وہ انسان جو بالفعل لکھنا نہیں جانتا مگر اس میں لکھنے کی قوت ہے۔ اب یہ تعریف ایسے انسان پر صادق نہیں ہے۔

سوال نمبر6: **اعلم انی لما وقعت فی مباحث الموضوع والمسائل اردت ان اسمعك بعض مباحثها التی لایستغنی المحصل عنها وان کان لایلیق بهذا الفن منها انهم قد ذکروا ان العلم الواحد قد یکون له اکثر من موضوع واحد۔**

(الف) عبارت کا ترجمہ کریں اور تلویح کی روشنی میں موضوع علم کی وضاحت کریں؟

(ب) کیا علم واحد کے متعدد موضوع ہو سکتے ہیں؟ اس حوالے سے صاحب توضیح کی بیان کردہ تحقیق سپرد قلم کریں؟

جواب: (الف) ترجمہ عبارت: جان لو کہ جب میں نے موضوع اور مسائل کی بحث چھیڑی تو چاہا کہ اب موضوع کے بعض مباحث بھی بیان کردوں، جن سے طالب علم بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ وہ مباحث اس فن کے مناسب نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ علماء نے ذکر کیا ہے کہ علم واحد کے لیے بھی ایک سے زیادہ موضوع بھی ہو سکتے ہیں۔

موضوع کی وضاحت:

کسی بھی علم کا موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جائے اور عوارض ذاتیہ تین قسم کے ہیں: ۱- وہ عوارض، جن سے باقاعدہ اس فن میں بحث کی جاتی ہے جیسے حکم ثابت بالادلہ ہونا۔

۲- وہ عوارض، جن سے اس فن میں بحث تو نہیں ہوتی مگر عوارض مبحوث عنہا میں اس کا دخل ضرور ہے جیسے حکم کا فعل بالغ سے متعلق ہونا وغیرہ۔

۳- وہ عوارض ہیں، جن سے نہ اس فن میں بحث ہوتی ہے اور نہ ان کو عوارض مبحوث عنہا میں کوئی دخل ہے، جیسے حکم کا مرکب ہونا، مفرد ہونا وغیرہ۔ اب قسم ثانی سے بحث اس طرح ہوگی کہ یہ قضیہ کلیہ میں محمول واقع ہوتی ہے اور قسم ثانی کی تین صورتیں ہیں: (۱) کبھی موضوع کے لیے قید و وصف، (۲) کبھی خود موضوع، (۳) کبھی خود محمول واقع ہوتی ہے۔

مثالیں: (۱) قید و وصف ہو جیسے: "الحكم المتعلق بالعبادة يثبت بخبر الواحد" اس مثال میں "المتعلق بالعبادة" قسم ثانی ہے اور یہ اس قضیہ میں موضوع کے لیے قید ہے۔ (۲) موضوع ہو جیسے العقوبة لايثبت بالقياس۔ اس مثال میں "العقوبة" قسم ثانی ہے، یہ اس قضیہ میں موضوع ہے۔ (۳) محمول ہو جیسے "زكوة الصبی عبادة" اس مثال میں "عبادة" قسم ثانی ہے اور یہ اس قضیہ میں محمول ہے۔

(ب) علم واحد کے متعدد موضوع ہونا:

اگر موضوع نسبت بين الشيئين ہو اور اعراض مبحوث عنہا، طرفین سے پیدا ہو تو کئی چیزیں موضوع بن سکتی ہیں ورنہ نہیں، کیونکہ علم کا اتحاد و اختلاف، یہ معلومات کے متحد اور مختلف ہونے سے ہوتا ہے۔ معلومات سے مراد مسائل ہیں، اور اختلاف موضوع کی وجہ سے معلومات و مسائل مختلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا اختلاف موضوع، اختلاف علم کا سبب ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ موضوع کے اتحاد و اختلاف سے مسائل متحد مختلف ہو جاتے ہیں، اور مسائل و معلومات کے اتحاد و اختلاف سے علم متحد و مختلف ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر 5: (الف) علمی تحقیق کے بنیادی عناصر میں سے کوئی سے پانچ عناصر کے نام سپردقلم کریں؟ ۲×۵=۱۰

(ب) کوئی سی تین ایسی خصوصیات وصفات کا ذکر کریں جن سے محقق کو آراستہ ہونا ضروری ہوتا ہے؟ ۵×۳=۱۵

سوال نمبر 6: (الف) عام طور پر نگران استاد کی طرف سے موضوع کے انتخاب کی ضرورت کب پیش آتی ہے؟ ۱۰

(ب) اچھے موضوع کی شرائط میں سے کوئی سی تین کی تشریح وتوضیح سپردقلم کریں؟ ۳×۵=۱۵

درجہ عالیہ (سال اول) برائے طلباء بابت 2018ء

چوتھا پرچہ: اصول حدیث واصول تحقیق

﴿حصہ اوّل: اصول حدیث﴾

سوال نمبر 1: اَلْخَبَرُ اِمَّا اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ طُرُقٌ بِلَا عَدَدٍ مُّعَيَّنٍ اَوْ مَعَ حَصْرٍ بِمَا فَوْقَ الْاِثْنَيْنِ اَوْ بِهِمَا اَوْ بِوَاحِدٍ

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر اس کا ترجمہ کریں؟

(ب) "طرق" کی وضاحت کریں، نیز بتائیں کہ متواتر کے راویوں کی تعداد معین ہے یا نہیں؟ شرح نخبہ کی روشنی میں تفصیلاً جواب دیں۔

جواب: (الف) عبارت پر اعراب اور ترجمہ:

اعراب اوپر عبارت پر لگادیے گئے ہیں اور ترجمہ حسب ذیل ہے:

خبر غیر معین کئی طرق ہوں گے یا دو سے زائد ہوں گے، جو معین ہوں گے دو ہوں گے یا ایک ہوگا۔

(ب) "طرق" کی وضاحت:

لفظ "طرق" (بضمتین) جمع ہے بروزن فعیل اور یہ جمع کثرت ہے، کیونکہ جمع قلت اس وزن کی افعلۃ کے وزن پر آتی ہے۔ طرق سے مراد اسانید ہیں۔ اسانید، اسناد کی جمع ہے جو متن کی حکایت کو کہتے ہیں، متن اس عبارت کو کہا جاتا ہے جس پر اسناد کی انتہاء ہو یعنی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

متواتر کے راویوں کی تعداد کی وضاحت:

متواتر کے لیے چار شرائط کا ہونا ضروری ہے:

۱-خبر متواتر کو کثیر رواۃ روایت کریں۔

۲-سند کے ہر طبقہ میں یہ کثرت پائی جائے۔

۳-عادتاً ان لوگوں کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔

۴-ان لوگوں کی خبر حس کی بنیاد پر ہو۔

خبر متواتر کی کم از کم تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں مگر مختار قول کے مطابق وہ دس ہے۔

سوال نمبر 2: وقد یقع فیها ای فی اخبار الاحاد المنقسمة الی مشهور وعزیز و غریب ما یفید العلم النظری بالقرائن، علی المختار خلافا لمن أبی و الخلاف فی التحقیق لفظی

(الف) عبارت کا ترجمہ کریں اور تشریح سپردقلم کریں؟

(ب) خبر مختلف بالقرائن کی اقسام ثلاثہ کی وضاحت کریں؟

جواب: (الف) ترجمہ عبارت: اور بیشک اخبار احاد کی تین اقسام ہیں: مشہور، عزیز اور غریب۔ یہ مختار قول کے مطابق قرائن کے ساتھ علم نظری کا فائدہ دیتی ہیں خواہ کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت بھی کی ہے اور یہ اختلاف حقیقت میں لفظی ہے۔

عبارت کی وضاحت:

اس عبارت میں مصنف امام احمد بن علی عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اخبار احاد کی تین اقسام ہیں:

۱-مشہور: اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کی سند میں رواۃ دو سے زیادہ ہوں۔ اس کا دوسرا نام مستفیض ہے۔

۲-عزیز: وہ روایت ہے جس کی سند میں کم از کم دو راوی ہوں۔

۳-غریب: وہ روایت ہے جس کی سند میں کسی طبقہ میں ایک راوی ہو۔

غریب کی دو اقسام ہیں: (۱) فرد مطلق، (۲) فرد نسبی۔

(ب) اخبار ثلاثہ کی حیثیت:

خبر مشہور، خبر عزیز اور خبر غریب کی اہمیت وحیثیت کے بارے میں محدثین کا اختلاف پایا جاتا ہے مگر وہ اختلاف لفظی ہے حقیقی نہیں ہے۔ اخبار احاد سے حدیث صحیح کی طرح احکام ومسائل مستنبط کیے جا سکتے ہیں اور انہیں معمول بہ بنایا جا سکتا ہے۔ خبر غریب جب قوی اسناد والی روایات سے موصوف ہوتی ہے تو اس میں صحت وقوت کے اوصاف عود کر آتے ہیں۔

سوال نمبر 3: (الف) منکر کی تعریف کرنے کے بعد بتائیں کہ شاذ اور منکر کے درمیان کون سی نسبت ہے؟

(ب) مدرج الاسناد کی کوئی سی تین اقسام کی تشریح وتوضیح قلمبند کریں؟

جواب: (الف) منکر: وہ حدیث ہے جس کی سند میں ایسا راوی ہو جس میں سبب طعن بکثرت غلطی کا مرتکب ہونا یا کثرت غفلت اور یا فسق وغیرہ نقائص وعیوب موجود ہوں۔

شاذ: وہ روایت ہے جسے مقبول راوی روایت کرے اور اولی کے خلاف ہو۔

منکر وشاذ میں نسبت:

منکر وشاذ دونوں روایات مخالفت کے معاملہ میں مشترک ہیں جبکہ راوی کی روایت کے اعتبار سے مختلف ہیں یعنی شاذ، مقبول کی روایت ہے اور منکر کا راوی ضعیف ہوتا ہے۔

جواب: (ب) جواب حل شدہ پرچہ جات بابت 2016ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿حصہ دوم: اصول تحقیق﴾

سوال نمبر 4: (الف) مصادر (Sources) کے اعتبار سے تحقیق کی کتنی اور کون کون سی اقسام ہیں؟ وضاحت کریں؟

(ب) معیار کے اعتبار سے تحقیق کی کوئی سی تین اقسام کی وضاحت کریں؟

جواب: (الف) مصادر کے اعتبار سے تحقیق کی اقسام:

مصادر کے اعتبار سے تحقیق کی تین اقسام ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱- لائبریری تحقیق:

اس سے مراد ایسی تحقیق ہے جس کا زیادہ تر انحصار کتابوں، مجلات اور انسائیکلوپیڈیاز میں موجود معلومات ومواد پر ہوتا ہے۔ محقق لائبریری جاتا ہے، بیسیوں کتابیں اکٹھی کر کے ان کا مطالعہ کرتا ہے اور پھر اپنی تحقیق کو ان مصادر کی طرف منسوب کر کے لکھتا ہے۔

۲- میدانی تحقیق:

اس تحقیق کا انحصار موقع ومحل اور میدان تحقیق پر ہوتا ہے، معلومات جمع کرنے کے لیے محقق موضوع تحقیق کے موقع ومحل کی طرف جاتا ہے، وہ مختلف لوگوں سے ملتا ہے اور ان سے معلومات وبیانات اکٹھے کرتا ہے، ان کا انٹرویو کرتا ہے، ان سے سوال کرتا ہے، ان کے اعمال وافعال اور نظریات کا جائزہ لیتا ہے، اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے، بذات خود موقع ومحل دیکھتا ہے اور پھر مختلف آراء ومشاہدات کا باہمی موازنہ کر

کے قوت قیاس اور قوت تطبیق کے ذریعے استنباط واستخراج اور نتائج حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اسے کھیتوں، کارخانوں، فیکٹریوں اور مختلف کمپنیوں میں بھی جانا پڑتا ہے۔

۳- لائبریری، میدانی تحقیق:

اس سے مراد ایسی تحقیق ہے جس میں موضوع تحقیق کی مناسبت سے لائبریری مصادر اور میدانی مشاہدات دونوں شامل ہوتے ہیں۔ محقق پہلے کتابوں اور لائبریری ذرائع سے معلومات اکٹھی کرتا ہے، پھر عملی زندگی میں جا کر ان کا جائزہ لیتا ہے۔ اس تحقیق میں لائبریری دراصل میدانی تحقیق کی تمہید کا کام دیتی ہے۔

(ب) معیار کے اعتبار سے اقسام تحقیق:

جواب حل شدہ پرچہ جات بابت 2014ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

سوال نمبر 5: (الف) علمی تحقیق کے بنیادی عناصر میں سے کوئی سے پانچ عناصر کے نام سپرد قلم کریں؟

(ب) کوئی سی تین ایسی خصوصیات وصفات کا ذکر کریں جن سے محقق کو آراستہ ہونا ضروری ہوتا ہے؟

جواب: (الف) علمی تحقیق کے پانچ بنیادی عناصر:

علمی تحقیق کے بنیادی عناصر دس ہیں جن میں سے پانچ کے نام حسب ذیل ہیں:

۱- مسئلہ تحقیق کی حدود کی شناخت:

اس مسئلہ سے مراد تحقیق کے علمی افکار، موضوعات، مسائل اور میدانات ہیں۔ مسئلہ تحقیق کی تحدید سے مراد تحقیق کی اہمیت کی وضاحت اور تحقیق کے مفروضے، نیز معلومات، مواد، وسائل، نمونوں، تجربات اور اسالیب کی نوعیت اور عملی مناہج کی اقسام ہیں، جن کے ذریعے مقالے کی تیاری میں مدد لی جاتی ہے۔

۲- جدت اور تحقیق:

تحقیق کے بنیادی عناصر میں ایک عنصر یہ ہے کہ وہ تحقیق جدید اور تخلیقی ہو، نئی معلومات کا اضافہ کرے اس میں نقل یا تقلید یا ترجمہ وتکرار نہ ہو۔ درحقیقت ہر محقق اپنی تحقیق کا آغاز وہاں سے کرتا ہے جہاں اس سے پہلے والے محققین رک گئے ہوتے ہیں، تاکہ علمی دنیا میں ایک اور قدم کا اضافہ ہو اور محقق علمی ترقی میں اپنا حصہ ڈالے لیکن تحقیقی میدان میں مطلوبہ تحقیق سے مراد صرف نئی چیزوں کو دریافت وآشکارا کرنا نہیں ہوتا بلکہ لفظ کا اطلاق انکشافات ودریافت کے علاوہ کئی اور چیزوں پر بھی کیا جاتا ہے مثلاً بکھرے ہوئے

مواد کو نئی اور قابل استفادہ ترتیب دینا، قدیم حقائق کے لیے جدید اسباب تک رسائی حاصل کرنا، یا قلیل اور منتشر معلومات کو ایک مضمون کی شکل میں یکجا اور منظم کرنا بھی تحقیقی کاوش کہلاتا ہے۔

۳۔تحقیق کی اصلیت:

تحقیق کی اصلیت کا انحصار ان افکار کے مستقل بالذات، آزاد اور خود مختار ہونے پر ہوتا ہے جن سے تحقیق وجود میں آتی ہے۔ اصل تحقیق وہی ہے جو نئے افکار اور جدید آراء ونظریات پر مشتمل ہو۔ تحقیق محض دوسرے محققین کی آراء وافکار کو نقل کر دینے کا نام نہیں۔ اسی طرح تحقیق کی اصلیت بذات خود تحقیق کے موضوع پر بھی موقوف ہوتی ہے۔ موضوع جس قدر نیا ہوگا اس کی علمی قیمت زیادہ ہوگی۔ جس قدر معاشرتی ضروریات سے زیادہ وابستہ ہوگا، نظریات، مسائل اور ان کے حل سے مربوط ہوگا، اسی قدر وہ ذہنی، جسمانی اور مالی ومادی محنت کا مستحق ہوگا۔

۴۔امکانات تحقیق:

امکانات تحقیق سے مراد ہے کہ طالب علم تحقیق کے لیے ایسے موضوعات کا انتخاب نہ کرے جو انتہائی پیچیدہ ہو، مبہم، ناقابل حل اور محقق کی استعداد وقدرت سے ماوراء ہو۔ چنانچہ بہت سے موضوعات بہت دلکش اور دلچسپ ہوتے ہیں مگر ان پر تحقیق کرنا مشکل ہوتا ہے۔ بلکہ ان کے متعلق معلومات اکٹھی کرنا ناممکن ہوتا ہے، کیونکہ یا تو ان کے لیے مادی اور معنوی اسباب وذرائع میسر نہیں ہوتے یا وہ اس قدر مبہم اور پیچیدہ یا الجھنوں پر مشتمل ہوتے ہیں جنہیں سلجھانا ناممکن ہوتا ہے۔

۵۔وسیع مطالعہ:

محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے موضوع سے متعلق ممکنہ حد تک تمام تحقیقات کا وسیع تر مطالعہ کرے۔ موضوع سے متعلق کوئی چیز اس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہے۔ چونکہ محقق اپنے مطالعہ کی بنیاد پر تحقیق کے نتائج وحاصلات مرتب کرتا ہے، لہٰذا اس پر لازم ہے کہ وسیع مطالعہ کرے اور اپنے موضوع سے متعلق کسی قابل ذکر اور قابل اہمیت مصدر ومرجع سے صرف نظر ہرگز نہ کرے۔

(ب) محقق کی تین اہم خصوصیات:

محقق میں دس اہم خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے، جن میں سے تین حسب ذیل ہیں:

۱۔صبر وتحمل:

محقق کو بار بار مصادر ومراجع کی طرف رجوع کرنے اور انہیں پڑھنے سے اکتانا اور بیزار نہیں ہونا چاہیے بلکہ جب تک مقصود حاصل نہ ہو جائے اور سارا معاملہ واضح نہ ہو جائے، اس وقت تک صبر وتحمل کے

ساتھ محنت کرتا رہے۔ اس کا مقصد کم سے کم وقت میں صرف ڈگری کا حصول نہ ہو بلکہ صبر وتحمل اور وقار و احتیاط کے ساتھ آراستہ، بہتر سے بہتر مواد ومعلومات جمع کرنے اور انہیں ترتیب دینے کا اہتمام کرے۔ ہمیشہ اپنی تحقیق کے کمال، تحقیق اور علمی دنیا میں ایک قابل قدر اضافے کی طرف متوجہ رہے۔

۲۔علمی دیانتداری:

تحقیق کو ہر طرح سے سرقہ سے پاک ہونا چاہیے، اور علمی امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ ہر نقل و اقتباس کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ ہر عبارت کو کہنے والے کی طرف منسوب کیا جائے، اور تمام معلومات کا ان کے مؤلفین کی طرف نسب کرتے ہوئے حاشیہ میں حوالہ دیا جائے۔ نیز عبارت واقتباس نقل کرتے ہوئے کسی قسم کا التباس، تحریف، زیادتی یا کمی نہ ہو، جو عبارت کے مقصود ومطلوب میں خلل وبگاڑ پیدا کرے۔ اس علمی امانت داری سے محرومی ایک بری صفت ہے جسے قرآن مجید کی بہت سی آیات میں یہودیوں کا شیوہ قرار دیا گیا ہے۔

۳۔تواضع وعاجزی:

محقق کے لیے ضروری ہے کہ تکبر وغرور اور خود پسندی سے اجتناب کرے۔ کسی آراء ونظریات کو گھٹیا نہ کہے، کسی کی ذات پر کیچڑ نہ اچھالے۔ اگرچہ جو وہ کہہ رہا ہے وہ ٹھیک ہی کیوں نہ ہو، اور اس کی تنقید یا تبصرہ درست ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ سب کچھ اس کی تحقیق کو داغدار بنا دے گا، اس کا علمی مرتبہ گر جائے گا، اور قاری اس کی تحقیق کے مطالعہ سے متنفر ہو جائے گا۔ اگر تحقیق کے آداب اور علمی معروضیت کا خیال رکھا جائے تو محقق ایسی بہت سی غلطیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے، جو تحقیق کے حسن کو پامال کر دیتی ہیں۔

سوال نمبر 6: (الف) عام طور پر نگران استاد کی طرف سے موضوع کے انتخاب کی ضرورت کب پیش آتی ہے؟

(ب) اچھے موضوع کی شرائط میں سے کوئی سی تین کی تشریح وتوضیح سپرد قلم کریں؟

جواب: (الف) اچھے موضوع کے انتخاب کے لیے معلم کی ضرورت پیش آنا:

موضوع کے انتخاب کے لیے عام طور پر دو طریقے رائج ہیں:

1۔محقق کی طرف سے موضوع کا انتخاب:

انتخاب موضوع کا یہ طریقہ زیادہ موزوں، زیادہ بہتر اور قابل قدر ہے۔ کیونکہ محقق ہی صاحب تحقیق ہوتا ہے اور اپنی ساری تحقیق کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ اسی پر تحقیق کا دارومدار ہوتا ہے اور وہی اپنے موضوعات پر مہارت اور تخصص (Authority) حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا موضوع کا انتخاب محقق کی طرف

سے اسی کی مرضی، میلانِ طبع، اس کی صلاحیتوں اور امکانات کے مطابق ہونا چاہیے۔ محقق کے لیے مناسب یہ ہے کہ یونیورسٹی میں کلاس ورک کے دوران ہی اپنے موضوع کے بارے میں سوچ بچار کرے اور اساتذہ کے مشورے سے انتخاب کرے۔

2۔نگران استاد کی طرف سے انتخاب موضوع:

عام طور پر نگران استاد کی طرف سے موضوع انتخاب کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب طالب علم کورس ورک کے دوران موضوع کا فیصلہ نہ کر سکے۔ بعض اوقات یہ طریقہ بہتر بھی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ نگران استاد کے پاس کئی اہم موضوعات ہوتے ہیں جو تحقیق کے لیے زیادہ بہتر اور مناسب ہوتے ہیں۔ اس صورت میں محقق کا صرف اتنا ہی کام باقی رہ جاتا ہے کہ وہ اپنے نگران استاد کے ساتھ تجویز کردہ موضوع کے بارے میں تبادلہ خیال اور گفت وشنید کرتا رہے۔ نیز اپنے استاد سے اپنے موضوع کے تمام پہلوؤں سے متعلق سوال و جواب کا سلسلہ جاری رکھے۔ یہاں تک کہ اس موضوع کے متعلق اس کے تمام تصورات (Concepts) واضح ہو جائیں۔

انتخاب موضوع کے ذرائع و وسائل:

موضوع کا انتخاب و تعین کرنے کے لیے مختلف وسائل، ذرائع اور طریقے استعمال کیے جا سکتے ہیں ان میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

(i) ذاتی معلومات و تجربہ:

آپ کے ذہن میں معلومات، افکار اور آپ کا ذاتی تجربہ موضوع کے انتخاب میں معاون ہو سکتے ہیں۔ کیا آپ کے ذہن میں ہر وقت کھٹکنے والا کوئی سوال ہے جس کا ابھی تک جواب نہیں ملا؟ کیا کوئی ایسا معاملہ ہے جس میں اہل علم و دانش کا اختلاف ہو؟ کیا کوئی ایسی اہم بات ہے جس سے لوگ ابھی تک ناواقف ہوں؟ کیا کوئی ایسا مسئلہ ہے جو ہر وقت آپ کی توجہ مبذول رکھتا ہے لیکن ابھی تک اس کا کوئی حل تجویز نہیں کیا گیا؟ اس طرح کے تمام امور آپ کا موضوع تحقیق بن سکتے ہیں۔ آپ کا ذاتی تجربہ اور آپ کی ذاتی معلومات موضوع کے انتخاب میں آپ کے لیے کارآمد ہو سکتی ہیں۔

(ii) دوسروں سے گفتگو:

دوسروں کے ساتھ آپ کی گفت وشنید نئے نئے تحقیق طلب قضایا کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ نت نئے سوالات اور ان کے جوابات کی تلاش کا عمل اسی وقت شروع ہوتا ہے جب آپ دوسروں کے ساتھ علمی گفتگو میں حصہ لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا سوال نمودار ہو جائے جسے جواب کی ضرورت

ہو، یا گفتگو کرنے والا آپ کے ذہن میں کوئی نئی سوچ پیدا کر دے، یا معاشرے کا کوئی ایسا مسئلہ سامنے لے آئے جس کا تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت ہو۔ درحقیقت ہر چیز تحقیق کے قابل ہوتی ہے، لیکن اس کے لیے ایک تحقیق و جستجو کرنے والی عقل ہونی چاہیے۔ ایسی عقل جو ہر وقت چیزوں کی حقیقت جاننے کی طالب ہو۔ ایسی عقل جو تحقیق سے لطف اندوز ہو۔ جب آپ دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں تو آپ کے سامنے تحقیق کے کئی موضوعات کھلتے ہیں مثلاً: جسم کی زبان (Body Language) گفتگو کے مطابق ہاتھوں کی حرکات، چہرے کے تاثرات اور دوران کلام آنکھوں کی حرکات وغیرہ کو سامنے رکھتے ہوئے آپ گفتگو کے دوران دو شخصوں کی جسمانی لغت (Body Language) کا موازنہ کر سکتے ہیں۔ اسی موضوع کو وسیع کرتے ہوئے آپ دو قوموں کی جسمانی لغت کا موضوع تحقیق بنا سکتے ہیں۔ یہ تو ایک چھوٹی سی مثال ہے، یقیناً آپ دوسرے لوگوں سے گفتگو کے ذریعے اپنے لیے تحقیق کے ہزاروں موضوعات تلاش کر سکتے ہیں۔

۳۔غور وفکر اور سوچ و بچار:

جو کچھ آپ سنیں، اس کے بارے میں سوچیں اور جو کچھ آپ جانتے ہیں، اس کے بارے میں غور وفکر کریں، اپنے اردگرد موجود کائنات کے بارے میں سوچیں۔ اپنے اردگرد کے لوگوں کے بارے میں سوچیں، نباتات، حیوانات اور جمادات پر غور وفکر کریں۔ انسانی رویوں اور جانوروں کی حرکات و سکنات کے بارے میں سوچیں۔ واقعات کے پس منظر، اسباب اور نتائج کے بارے میں سوچیں۔ ہر رویے کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔

ان اسباب کے بارے میں غور وفکر کریں۔ چیزوں میں فرق ضرور ہوتا ہے اور اسی طرح ہر شخصیت دوسری سے جدا ہوتی ہے۔ ملتے جلتے واقعات میں بھی فرق موجود ہوتا ہے۔ شخصیات اور واقعات کے درمیان پائے جانے والے فروق (Differences) اور تشابہات (Sinilarities) کے بارے میں سوچیں۔

ان فروق و تشابہات کی بنا پر واقعات کے درمیان پائے جانے والے تقابل کو تلاش کریں۔ ان چیزوں کے بارے میں سوچیں جن کے بارے میں پہلے کبھی نہیں سوچا۔ گہری نظر ڈالیں۔ ماضی کی طرف لوٹ جائیں۔ ملکوں اور اقوام و ملل کے ماضی کا مطالعہ کریں۔ مختلف واقعات کا ماضی تلاش کریں۔ ماضی اور حال پر خوب غور وفکر کریں اور ان کی روشنی میں مستقبل کی پیش گوئی کریں۔ امکانات کیا ہیں؟ مشکلات کیا ہیں؟ جب آپ نگاہ بصیرت سے عہدہ رفتہ کی پیمائش کریں گے، اور روشن عقل کے ساتھ مستقبل کا کھوج لگائیں گے، حال کو گہری اور باریک نظر سے دیکھیں گے تو آپ کے سامنے سینکڑوں موضوعات نمودار ہونا شروع ہو جائیں گے، جن میں تحقیق کی ضرورت ہو گی، اور آپ ان پر تحقیق کر کے راحت و اطمینان محسوس

کریں گے۔

۴-ریڈیو اور ٹیلی وژن کی خبریں:

آپ دن میں کئی مرتبہ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر خبریں سنتے ہیں۔ سیاسی، جنگی، اقتصادی، معاشرتی، تعلیمی، دینی اور ہر طرح کی خبریں آپ کی سماعت سے ٹکراتی ہیں۔ بس ضروری یہ ہے کہ آپ ان خبروں کو دھیان لگا کر سنیں۔ اپنی سماعت کو تیز کر لیں۔ کیا ان خبروں کو سن کر آپ کے ذہن میں کوئی سوال پیدا ہوتا ہے؟ کیا آپ کو کسی سوال کے جواب کی تلاش ہے؟ کیا آپ کے سامنے مختلف خیالات وامور گردش کر رہے ہیں؟ کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ ایک حالت کا دوسری حالت کے ساتھ، ایک جنگ کا دوسری جنگ کے ساتھ، ایک سیاستدان کا دوسرے سیاستدان کے ساتھ، ایک صدی کا دوسری صدی کے ساتھ، ایک واقعہ کا دوسرے واقعے کے ساتھ، ایک شہر کا دوسرے شہر کے ساتھ، ایک ملک کا دوسرے ملک کے ساتھ، ایک براعظم کا دوسرے براعظم کے ساتھ، ایک معاشرے کا دوسرے معاشرے کے ساتھ، ایک فلسفے کا دوسرے فلسفے کے ساتھ تقابل وموازنہ کریں۔ بلاشبہ خبریں آپ کے ذہن اور دل میں کئی تازہ سوالات (Current Issues) جنم دیتی ہیں، جن کے جوابات مستقل موضوع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بس اتنا ضروری ہے کہ آپ جو سنیں غور سے سنیں، اور جو غور سے سنیں اس میں غور وفکر کریں، جس میں غور وفکر کریں اس موضوع پر تحقیق کریں۔

۵-ریڈیو اور ٹیلی وژن کے پروگرام:

ریڈیو اور ٹیلی وژن سے روزانہ بہت سے دینی، علمی، ثقافتی اور ادبی پروگرام نشر ہوتے ہیں۔ ہر پروگرام میں کسی موضوع کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ پروگرام پیش کرنے والے معاشرے کے اہم امور کو اجاگر کرتے ہیں، اور وہ ان موضوعات کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں جن پر فوری اور مفصل تحقیق وجستجو کی ضرورت ہوتی ہے۔ ٹیلی وژن اور ریڈیو کے پروگرام انتہائی اہم اور معاصر موضوعات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ انہیں غور سے سنیے اور اپنی خواہش، حالات اور علمی وادبی تخصص کے مطابق اپنے لیے موضوعات کا انتخاب کرنے میں رہنمائی حاصل کریں۔

۶-اخبارات اور عام مجلات:

ہم ہر روز بہت سے اخبارات، رسائل اور ہفتہ وار، ماہوار مجلات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ تمام منشورات بہت اہم مسائل کو موضوع بتاتے ہیں۔ اگر ہم ان میں پائے جانے والے فیچرز، کالمز، رپورٹوں، خبروں، اداریوں اور دیگر مندرجات کو نظر عمیق سے دیکھیں تو ہمارے سامنے تحقیق کے بہت سے موضوع واشگاف ہوں گے۔ بس ضروری اور اہم یہ ہے کہ ہم باریک بینی سے دیکھیں اور خوب غور وفکر کریں۔ ہر

واقعہ اور ہر منظر (Pheneminum) کے بارے میں تحقیق وجستجو کا امکان موجود ہوتا ہے، اگر کوئی بحث تحقیق اور غور وفکر کرنے والی عقل موجود ہو۔

لاکھوں لوگوں نے درخت سے سیب گرتا ہوا دیکھا مگر صرف ایک سائنسدان نیوٹن نے اس کے گرنے کا سبب دریافت کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس نے سوچنا شروع کر دیا، اسباب وعلل پر تحقیق شروع کر دی، اور پھر نتیجے کے طور پر کشش ثقل کا مشہور قانون دریافت کر لیا۔ پس آپ بھی جب کچھ پڑھیں یا کچھ سنیں اور ذرا ٹھہر کر اس کے بارے میں سوال کریں، سوچیں، تحقیق کریں، موازنہ ومقابلہ کریں، تجزیہ واستنباط کریں اور پھر نتائج اخذ کریں۔ تمام اخبارات اور مجلات ورسائل علمی، سیاسی، معاشرتی، فلسفی، اقتصادی اور دینی موضوعات سے لبریز ہوتے ہیں جن پر مزید تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے۔

۷-تحقیقی مجلات:

مختلف جامعات اور تحقیقی ادارے اپنے تحقیقی مجلات شائع کرتے ہیں، جن میں شائع ہونے والے علمی مضامین مزید تحقیق کا تقاضا کرتے ہیں۔ نیز ان میں لکھنے والے بہت سے محققین اپنے مضمون کے آخر میں بطور تجاویز وسفارشات اور نتائج وحاصلات کچھ نئے پہلوؤں کا ذکر کرتے ہیں۔ ان تجاویز کو غور سے پڑھیے اور ان کی روشنی میں مزید تحقیق کے لیے اپنے لیے موضوعات کا انتخاب کریں۔

۸-محاضرات ودروس:

اگر آپ اساتذہ کرام کی طرف سے دیے گئے محاضرات (Lectures) کو غور سے سنیں تو وہ اپنے اپنے مضمون کے متعلق کئی موضوعات وعناوین بتاتے رہتے ہیں، جو قابل تحقیق ہوتے ہیں۔ اساتذہ کرام کے لیکچرز آپ کی سوچ کے افق کو وسعت بخشتے ہیں اور تحقیق کے میدان میں آپ کے لیے بہت سی راہیں کھول دیتے ہیں۔ اہل علم کی باتیں غور سے سننا تحقیق وجستجو کرنے والی عقل کو بے نیاز کر دیتا ہے اور اس کے سامنے جدید ووسیع آفاق کھول دیتا ہے۔

(ب) اچھے موضوع کی تین شرائط:

جواب حل شدہ پرچہ جات بابت 2016ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

☆☆☆☆☆☆

نهيت أن أقرء وانا راكع أو ساجد فاما الركوع فعظموا فيه الرب وأما السجود فاجتهدوا فى الدعاء فقمن أن يستجاب لكم .

(الف) ترجم الحديث الشريف الى الأردية واشرح الكلمة المخطوطة عليها؟ ١٠

(ب) هل ينبغى أن يدعو الرجل فى ركوعه وسجوده بما أحب ام لا؟ بين فيه مذاهب الفقهاء مع دلائلهم . ٢٠

(ج) اذكر نظر الطحاوى رحمه الله تعالىٰ فى هذه المسئلة؟ ١٠

☆☆☆☆☆☆

درجہ عالمیہ (سال اوّل) برائے طلباء بابت 2018ء

پانچواں پرچہ: شرح معانی الآثار

السؤال الاول: قال أبو جعفر كره قوم أن يقال فى أذان الصبح الصلوٰة خير من النوم واحتجوا في ذلك بحديث عبدالله بن زيد فى الأذان الذى أمره رسول الله صلى الله عليه وسلم بتعليمه اياه بلالا فأمر بلالا بالتاذين به .

(الف) انقل العبارة المذكورة الى الأردية وبين المراد بقوله "كره قوم"؟

(مذکورہ بالا عبارت کا اردو ترجمہ کریں؟ "کرہ قوم" سے کیا مراد ہے؟)

(ب) اكتب مذهب الجمهور فى هذه المسئلة مع دلائلهم من الأحاديث المباركة وعمل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم؟

(اس مسئلہ میں جمہور آئمہ کا مذہب کیا ہے، احادیث مبارکہ اور عمل صحابہ کے دلائل لکھیں؟)

جواب: (الف) ترجمہ عبارت: حضرت امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایک جماعت ناپسند کرتی ہے کہ صبح کی آذان میں جملہ "الصلوٰة خير من النوم" (نماز نیند سے بہتر ہے) کہا جائے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ کلمات اذان بلال رضی اللہ عنہ کو سکھائیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہنے کا حکم دیا۔

"کرہ قوم" سے مراد:

اس جملہ میں قوم سے مراد حضرت امام شافعی، حضرت عطاء بن رباح، حضرت طاؤس اور اسود بن یزید وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ لوگ ہیں۔

(ب) فجر کی اذان میں جملہ "الصلوٰۃ خیر من النوم" کہنے میں مذاہب آئمہ:

فجر کی اذان میں جملہ "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے کہنے میں آئمہ فقہ کا اختلاف ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- عطاء بن رباح، طاؤس، اسود بن یزید اور ایک روایت کے مطابق حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ فجر کی اذان میں اس جملہ کو ناپسند کرتے ہیں۔ انہوں نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں یہ جملہ موجود نہیں ہے حالانکہ یہ اذان انہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سکھائی تھی اور حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی تھی۔ ان دونوں آذانوں میں یہ جملہ "الصلوٰۃ خیر من النوم" موجود نہیں ہے۔ لہٰذا فجر کی اذان میں اس جملہ کا اضافہ کرنا مکروہ ہے۔

۲- آئمہ اربعہ اور جمہور علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فجر کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے الفاظ کہنا جائز ہے۔ "وخالفهم فی ذالك اخرون" کا مصداق یہی لوگ ہیں۔ انہوں نے درج ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے:

۱- عن ابی محذورة رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم علمه فی الاذان الاول من الصبح: الصلوٰة خیر من النوم، الصلوٰة خیر من النوم.

۲- عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: کان فی الاذان الاول بعد الفلاح "الصلوٰة خیر من النوم"

ان روایات میں فجر کی اذان میں یہ جملہ موجود ہے اور اس کی تعلیم بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔

آئمہ اربعہ کی طرف سے عدم قائلین کے دلائل کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ ان روایات میں مطلق اذان کا ذکر ہے جبکہ ہمارے نزدیک دیگر نمازوں کی اذان میں نہیں بلکہ فجر کی آذان میں یہ جملہ پڑھا جائے گا۔ لہٰذا مطلق اذان والی روایات سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

السؤال الثانی: عن ابن مسعود أنه قال حین غربت الشمس والذی لا اله الا هو ان هذه الساعة لمیقات هذه الصلوٰة ثم قرء عبدالله تصدیق ذلك من کتاب الله أقم الصلوٰة لدلوك الشمس الی غسق اللیل قال ودلوکها حین تغیب وغسق اللیل حین یظلم فالصلوٰة بینهما.

(الف) ترجم الحدیث الی اللغة الأردية؟

(حدیث شریف کا اردو زبان میں ترجمہ کریں؟)

(ب) فصل الاختلاف بین الفقهاء فی خروج وقت المغرب مع دلائلهم؟

(مغرب کا وقت ختم ہونے کے بارے میں مذاہب آئمہ مع دلائل بیان کریں؟)

جواب: (الف) ترجمہ حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آفتاب غروب ہوا تو انہوں نے معبود حقیقی کی قسم کھاتے ہوئے کہا: اس نماز کا یہ وقت ہے، پھر اپنے قول کی تائید میں قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی: آفتاب غروب ہونے سے لے کر رات کا اندھیرا چھا جانے تک یعنی ان دونوں (حدوں) کے درمیان نماز مغرب کا وقت ہے۔

(ب) نماز مغرب کے آخری وقت میں مذاہب آئمہ:

نماز مغرب کا وقت کب ختم ہوتا ہے؟ اس بات پر تمام کا اتفاق ہے کہ شفق کے غائب ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ تاہم شفق کی تعریف میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "خروج وقت المغرب اذا غاب الشفق وهو الحمرة" شفق کے غروب ہونے پر نماز مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے، شفق سے سرخی مراد ہے یعنی سرخی کے زوال ہونے پر خروج وقت مغرب ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف ہے:

اذا غاب الشفق وهو البیاض الذی بعد الحمرة خرج وقتها

مغرب کی نماز کا وقت شفق کے غائب ہونے پر نکل جاتا ہے لیکن شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے۔

حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول مختار ہے۔ اس پر انہوں نے عقلی دلیل بھی پیش کی ہے کہ سرخی جو سفیدی سے پہلے ہوتی ہے وہ تو بالاتفاق مغرب کا وقت ہے۔ اختلاف تو اس سفیدی میں ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے۔

بعض حضرات نے کہا: اس کا حکم سرخی والا ہے یعنی سفیدی کے دوران بھی نماز کا وقت موجود ہوتا ہے۔ بعض نے کہا: سفیدی کا حکم سرخی کے خلاف ہے یعنی سفیدی کے وقت مغرب کا وقت باقی نہیں رہتا۔

ہم اس میں غور و فکر کرتے ہیں کہ ہم فجر کی نماز کے وقت کو دیکھتے ہیں کہ اس میں پہلے سرخی ہوتی ہے، پھر سفیدی اور دونوں ہی نماز کے وقت ہیں۔ جب سرخی اور سفیدی دونوں نکل جائیں تو نماز کا وقت بھی نکل جاتا ہے۔ تو اس سے پتہ چلا کہ سرخی اور سفیدی دونوں کے وقت مغرب کا وقت ہے، جب دونوں نکل جائیں تو پھر مغرب کا وقت نکل جائے گا۔

السؤال الثالث: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قِيلَ لَهُ إِنَّ نَاسًا يَقْرَءُونَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَقَالَ

لَوْ كَانَ لِيْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلٌ لَقَلَعْتُ اَلْسِنَتَهُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ فَكَانَتْ قِرَاءَتُهُ لَنَا قِرَاءَةً وَسُكُوْتُهُ لَنَا سُكُوْتًا .

(الف) انقل الحديث الى الأردية بعد وضع الاعراب عليه؟

(حدیث پر اعراب لگانے کے بعد اردو میں ترجمہ کریں؟)

(ب) هل يجب القراءة في الظهر والعصر أم لا؟ أوضح مذاهب الائمة الأربعة مع دلائلهم .

(کیا نماز ظہر اور نماز عصر میں قرأت کی جائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں مذاہب آئمہ اربعہ بیان کریں؟)

جواب: (الف) حدیث پر اعراب اور اس کا ترجمہ:

اعراب اوپر حدیث پر لگا دیے گئے ہیں اور ترجمہ حسب ذیل ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، بیشک انہیں کہا گیا کہ لوگ نماز ظہر اور نماز عصر میں قرأت کرتے ہیں تو انہوں نے کہا: اگر مجھے ان پر طاقت حاصل ہو تو میں ان کی زبانیں کاٹ دوں، بیشک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت کی تو آپ کی قرأت ہماری قرأت اور آپ کا سکوت ہمارا سکوت ہے۔

(ب) نماز ظہر وعصر میں قرأت کے بارے میں مذاہب آئمہ:

اس بات میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نماز ظہر اور نماز عصر میں جہری قرأت نہیں ہے۔ تاہم سری قرأت کے بارے میں دو اقوال ہیں:

پہلا قول: ایک روایت کے مطابق حضرت امام مالک اور حضرت حسن بن صالح رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ فرماتے ہیں کہ نماز ظہر اور نماز عصر میں قرأت نہیں ہے۔ فذھب "قوم الی هذه الآثار" کا مصداق یہی لوگ ہیں۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کیا ہے، وہ روایت یوں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ظہرین میں قرأت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں نمازوں میں قرأت نہیں کرتے تھے نہ سری اور نہ جہری۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان نمازوں میں بالکل قرأت نہیں ہے۔

دوسرا قول: حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہے کہ ان نمازوں میں قرأت کی جائے گی مگر سری قرأت ہوگی۔ انہوں نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے:

عن جابر بن سمرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقرأ في الظهر والعصر: والسماء والطارق، والسماء ذات البروج وبنحوهما من السور .

اس روایت سے قرأت کرنا ثابت ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا تعین بھی کیا گیا ہے کہ جو سورتیں بطور قرأت پڑھتے تھے۔

جمہور آئمہ کی طرف سے حضرت امام مالک وغیرہ رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں خود اپنی اس روایت کے بارے میں فرمایا: "لا ادری" جب کسی روایت کے بارے میں راوی تردد کا شکار ہو، وہ روایت نا قابل عمل ہوتی اور نا قابل استدلال بھی۔ لہٰذا اس روایت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

السؤال الرابع: عن علي رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نهيت أن أقرء وانا راكع أو ساجد فاما الركوع فعظموا فيه الرب وأما السجود فاجتهدوا في الدعاء فقمن أن يستجاب لكم .

(الف) ترجم الحديث الشريف الى الأردية واشرح الكلمة المخطوطة عليها؟

(حدیث شریف کا اردو ترجمہ کریں اور خط کشیدہ الفاظ کی وضاحت کریں؟)

(ب) هل ينبغي أن يدعو الرجل في ركوعه وسجوده بما أحب أم لا؟ بين فيه مذاهب الفقهاء مع دلائلهم؟

(کیا کوئی شخص اپنے رکوع یا سجود میں اپنی پسندیدہ دعا کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں مذاہب ائمہ بیان کریں؟)

(ج) اذكر نظر الطحاوي رحمه الله تعالىٰ في هذه المسئلة؟

(اس مسئلہ میں نظر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کریں؟)

جواب: (الف) ترجمہ حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں رکوع یا سجود میں قرأت کروں، پس تم رکوع میں (اللہ تعالیٰ کی) عظمت بیان کرو اور سجود میں دعاء کرو، وہ دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔

"فقمن" کی وضاحت:

خط کشیدہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حالت سجدہ میں کی جانے والی دعائیں بابرکت ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور درجہ قبولیت کو پہنچ جاتی ہیں۔

(ب) حالت رکوع وسجود میں دعا کرنے کے حوالے سے اقوال آئمہ:

حالت رکوع اور سجود میں کون سے الفاظ ہیں؟ اس بارے میں متعدد اقوال ہیں:

۱- رکوع وسجود میں کوئی الفاظ متعین نہیں بلکہ جو بھی الفاظ اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہوں پڑھے جا سکتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ پڑھتے تھے: اللهم لك ركعت وبك امنت ولك اسلمت وانت ربى خشع لك سمعى وبصرى ومخى وعظمى وعصبى لله رب العلمين ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود میں یہ الفاظ کہتے تھے: سبحانك اللهم وبحمدك استغفرلك واتوب اليك فاغفرلى وانك انت التواب ۔

۲- دوسرا قول یہ ہے کہ حالت رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِيْمِ" اور سجود میں "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" تین تین بار پڑھے جائیں۔

۳- تیسرا قول یہ ہے کہ رکوع میں صرف "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِيْمِ" کے الفاظ پڑھے جائیں لیکن سجدہ میں "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" کے علاوہ کوئی دعا بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ باقی روایات منسوخ ہیں مؤخر الذکر قول پر عمل کیا جائے۔

(ج) نظر طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ:

نماز میں داخل ہونے کے لیے تکبیر، رکوع اور سجدہ میں جانے کے لیے تکبیر ہے، قعود سے اٹھنے کے لیے تکبیر ہے، تکبیر کی جگہ اللہ اجل، اللہ اعظم کہنا غلطی ہے۔ تشہد میں شہادتین کے الفاظ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، ان کے بغیر اور الفاظ پڑھنے درست نہیں۔ ہاں! دعا کے لیے کوئی الفاظ متعین نہیں ہیں، قرآن وحدیث میں واقع وہ دعائیں جن میں بندوں سے طلب ممکن نہ ہو، ان دعاؤں میں سے کوئی دعا بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (پھر تشہد کے بعد) جو دعا تم کرنا چاہو وہی اختیار کرلو۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قباء فيأتيهم والشمس مرتفعة .

(الف) ترجم الحديث الى الأردية وبين المسافة بين المدينة وقباء؟ ٥+٥=١٠

(ب) زين مؤقفك بالأحاديث في أفضل وقت صلوة العصر وأجب عن دلائل المخالفين؟ ١٥

السؤال الخامس: أن أبا هريرة يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من صلى صلوة لم يقرء فيها بفاتحة الكتاب فهي خداج هي خداج هي خداج .

(الف) انقل الحديث الى الأردية وأوضح معنى الخداج لغة؟ ٥+٥=١٠

(ب) ما حكم القراءة خلف الامام عند الأحناف؟ هل تفسد الصلوٰة بها أم لا؟ بين مؤقفك بالتفصيل . ١٥

السؤال السادس: حدثنا نافع أن ابن عمر كان يبعث بزكوٰة الفطر الى الذي تجمع عنده قبل الفطر بيومين أو ثلثة .

(الف) شكل الحديث وترجمه الى اللغة الأردية؟ ٥+٥=١٠

(ب) متى وجبت صدقة الفطر؟ وبين مقدارها من شعير وتمر وزبيب . ٥+١٠=١٥

☆☆☆☆☆☆

درجہ عالیہ (سال اول) برائے طلباء بابت 2018ء

چھٹا پرچہ: المؤطین

﴿حصہ اوّل: مؤطا امام مالک﴾

السؤال الاول: عن أبي هريرة أنه قال اذا دخل رمضان فتحت أبواب الجنة وغلقت أبواب النار وصفدت الشياطين .

(الف) ترجم الحديث الشريف الى الأردية وبين أن "صفدت الشياطين" مبنى على الحقيقة أو المجاز؟

(حدیث کا اردو ترجمہ کریں اور بتائیں "صفدت الشیاطین" کا حقیقی معنی مراد ہے یا مجازی؟)

(ب) الجنة والنار مخلوقتان أم لا؟ أوضح مؤقفك وأجب خصمك بالحديث المذكور؟

(جنت اور جہنم دونوں پیدا ہو چکی ہیں یا نہیں؟ اپنا مؤقف واضح کریں اور اپنے مقابل کو مذکورہ حدیث کے بارے میں جواب دیں؟)

جواب: (الف) ترجمہ حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب رمضان کا مہینہ آ جائے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

"صفدت الشیاطین" کی وضاحت:

خواہ شیطان ایک ہے مگر اس کے کارندے کثیر ہیں جس وجہ سے جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں حقیقی طور پر شیاطین کو قید خانہ میں بند کرنا مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے یہ عظمت والا مہینہ (رمضان) شروع ہوتا ہے تو مسلمان شب و روز عبادت خداوندی میں مصروف ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت و مہربانی سے ان پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا اور ان پر وہ مسلط نہیں ہو سکتا کہ انہیں دوسرے مہینوں کی طرح عبادت و ریاضت سے روک سکے۔

(ب) جنت و دوزخ کی تخلیق کا مسئلہ:

مسلمانوں کی جزاء کا مقام "جنت" اور کفار کی سزا کا مقام جہنم ہے۔ جنت پیدا ہو چکی ہے جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے، جس کی کوئی نظیر نہیں ہے، مسلمان اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور انہیں اس سے نکالا نہیں جائے گا۔

جہنم کفار و مشرکین کا دائمی مقام ہے، یہ بھی پیدا ہو چکا ہے، ساتوں زمینوں کے نیچے ہے اور اس سے کفار و مشرکین کو نکالا نہیں جائے گا۔ معراج کی رات ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی سیر کی اور جہنم کا معائنہ کیا۔

السؤال الثاني: عن سعد الجاري انه قال سألت عبدالله بن عمر عن الحيتان يقتل بعضها بعضا أو يموت صردا فقال ليس بها بأس

(الف) ترجم الحديث الى الأردية واشرحه؟

(حدیث کا اردو ترجمہ کریں اور اس کی تشریح کریں؟)

(ب) اكتب تعريف السمك الطافي وبين حكمه عند الفقهاء الكرام؟

("سمک طافی" کی تعریف کریں اور فقہاء کرام کے ہاں اس کا حکم بیان کریں؟)

جواب: (الف) ترجمہ حدیث: حضرت سعد الجاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ان مچھلیوں کے بارے میں پوچھا جو ایک دوسری کو کھا جاتی ہیں

انہوں نے جواب میں فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد گرامی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عکس جمیل اور قرآن وسنت کے بہت بڑے عالم تھے۔ حضرت سعد الجاری رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ کچھ مچھلیاں اپنی سے چھوٹی مچھلیوں کو کھالیتی ہیں، تو کیا ایسی مچھلیاں کھائی جائیں گی یا نہیں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا: ایسی مچھلیاں کھائی جائیں گی، کیونکہ ان میں کوئی قباحت موجود نہیں ہے۔

(ب) ''سمک طافی'' کی تعریف اور اس میں مذاہب آئمہ:

حلال جانوروں میں سے ایک مچھلی ہے، اس کو ذبح کیے بغیر استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو مردار اور دو خون ہمارے لیے حلال قرار دیے گئے ہیں: دو مردار مچھلی اور مکڑی ہیں جبکہ دو خون کلیجی اور تلی ہیں۔

''سمک طافی'' سے مراد وہ مچھلی ہے جو مرنے کے بعد پانی کی سطح پر تیرنے لگے۔ اس کی حلت و حرمت میں اختلاف ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا کھانا منع ہے اور بعض فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ جمہور کی دلیل دو مرداروں کی حلت والی روایت ہے۔ جواز کے قائلین نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جمہور کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس روایت میں ''سمک طافی'' کا ذکر تک نہیں ہے، لہٰذا اس سے استدلال بھی درست نہیں ہوگا۔

السؤال الثالث: عن هشام بن عروة أن أباه عروة كان يعق عن بنيه الذكور والأناث بشاة شاة .

(الف) انقل الحديث الى الأردية وبين معنى العقيقة لغة واصطلاحا .

(حدیث کا اردو ترجمہ کریں اور عقیقہ کا لغوی واصطلاحی معنیٰ بیان کریں؟)

(ب) يعق عن الغلام بشاة أو بشاتين؟ اكتب مذاهب الائمة وزين مؤقف الأحناف بالدلائل .

(کیا لڑکے کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے گی یا دو بکریاں؟ مذاہب آئمہ بیان کریں اور احناف کا مؤقف دلائل سے مزین کریں؟)

جواب: (الف) ترجمہ حدیث اور عقیقہ کا لغوی واصطلاحی معنیٰ:

جواب حل شدہ پرچہ جات بابت 2014ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

ب) لڑکے کی طرف سے ایک یا دو بکریاں ذبح کرنے کا مسئلہ اور مذاہب آئمہ:

جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کسی کو بچی یا بچے کی شکل میں اپنی نعمت سے سرفراز فرمائے، والدین چاہیے کہ ذات باری تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لیے ساتویں روز نومولود کا عقیقہ کریں اور سر کے بال منڈوا ران کے مساوی چاندی یا رقم فی سبیل اللہ صدقہ کریں۔ سوال یہ ہے کہ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں ذبح جائیں گی یا ایک؟ اس مسئلہ میں آئمہ فقہ کا اختلاف ہے۔ احناف کا مؤقف یہ ہے کہ لڑکی کے لیے ایک ری اور لڑکے کے لیے دو بکریاں بطور عقیقہ ذبح کی جائیں۔ تاہم اگر کوئی شخص لڑکے کے عقیقہ میں ایک ری ذبح کرتا ہے، یہ بھی جائز ہے۔ بعض فقہاء کا مؤقف ہے کہ لڑکی کے عقیقہ کے لیے ایک بکری اور ے کے عقیقہ کے لیے دو بکریاں ذبح کی جائیں۔ دونوں قسم کی روایات موجود ہیں مگر احناف کے مؤقف روایت قوی ہے۔ لہٰذا اس پر عمل کیا جائے گا۔

﴿حصہ دوم: مؤطا امام محمد﴾

السؤال الرابع: عن أنس بن مالك أنه قال نصلي العصر ثم يذهب الذاهب الى ء فيأتيهم والشمس مرتفعة .

(الف) ترجم الحديث الى الأردية وبين المسافة بين المدينة وقباء؟

(حدیث کا اردو ترجمہ کریں اور مدینہ وقباء کے مابین کتنی مسافت ہے؟)

(ب) زين مؤقفك بالأحاديث في أفضل وقت صلوة العصر واجب عن دلائل مخالفين؟

(نماز عصر کے افضل وقت کے بارے میں اپنے مؤقف کو دلائل احادیث سے مزین کریں اور اپنے ف کے دلائل کے جواب دیں؟)

جواب: (الف) ترجمہ حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ہم لوگ عصر ادا کرتے پھر کوئی جانے والا قباء (بستی) میں جاتا پھر ان کے پاس واپس آتا جبکہ اس وقت بھی تاب بلند ہوتا تھا۔

ینہ طیبہ اور قباء کے مابین مسافت:

قباء، مدینہ طیبہ کے کچھ فاصلے پر بستی کا نام ہے، یہ وہی بابرکت بستی ہے جہاں ہجرت کے بعد سب ے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا، پھر مدینہ طیبہ میں منتقل ہوئے اور قیام پذیر ہونے کے بعد ہر ہفتہ میں پیدل یا سواری پر یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ اسی بستی میں موجود مسجد کے بارے آپ نے فرمایا: جو شخص اس میں دو رکعت نماز ادا کرے گا اسے عمرے کا ثواب عطا کیا جائے گا۔ مدینہ

طیبہ اور قباء کے مابین تین میل (پانچ کلومیٹر) کا فاصلہ ہے۔

(ب) نمازِ عصر کے افضل وقت میں مذاہبِ آئمہ:

نمازِ عصر کا افضل و مستحب وقت کونسا ہے اول یا آخر؟ اس بارے میں آئمہ فقہ کا اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف یہ ہے کہ ہر موسم میں نمازِ عصر آخری وقت میں پڑھنا افضل ہے بشرطیکہ مکروہ وقت شروع نہ ہو۔ آپ نے ان روایات سے استدلال کیا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں نمازِ عصر ادا کی اور وہ روایات قوی ہیں۔ دیگر آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ نمازِ عصر کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے، انہوں نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو کہ احناف کی روایات کے مقابلہ میں ضعیف ہے۔

السؤال الخامس: أن أبا هريرة يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من صلى صلوة لم يقرء فيها بفاتحة الكتاب فهي خداج هي خداج .

(الف) انقل الحديث الى الأردية وأوضح معنى الخداج لغة؟

(حدیث کا اردو ترجمہ کریں اور ''خداج'' کا لغوی معنیٰ واضح کریں؟)

(ب) ما حكم القراءة خلف الامام عند الأحناف؟ هل تفسد الصلوٰة بها أم لا؟ بين مؤقفك بالتفصيل .

(احناف کے ہاں قرأت خلف الامام کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟)

جواب: (الف) ترجمہ حدیث: بیشک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے کوئی نماز پڑھی اس نے اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو وہ نماز ناکمل ہے، وہ نماز ناکمل ہے اور وہ نماز ناکمل ہے۔

''خداج'' کا لغوی معنیٰ:

لفظ ''خداج'' کا لغوی معنیٰ ہے: ناتمام، کچھ کمی کر دینا، ناقص۔

(ب) قرأت خلف الامام کا مسئلہ میں مذاہب آئمہ:

کیا امام کی اقتداء میں پڑھی جانے والی نماز میں قرأت کی جائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کے دو گروہ ہیں:

۱- پہلے گروہ کا مؤقف ہے کہ امام کی اقتداء میں پڑھی جانے والی نماز میں مقتدی سورہ فاتحہ ضرور پڑھے گا، ان کی دلیل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی تو آپ پر قرأت خلط ملط ہوگئی، آپ نے جب سلام پھیرا تو

فرمایا: کیا تم میرے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ تو ہم نے عرض کیا: ہاں، آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، مگر فاتحہ الکتاب۔

۲- دوسرا گروہ جس میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ شامل ہیں، کا مؤقف ہے کہ امام کی اقتداء میں پڑھی جانے والی نماز میں سورہ فاتحہ سمیت کوئی بھی سورت یا آیت نہیں پڑھی جائے گی۔ وہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

بیشک ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا نماز میں قرأت قرآن ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: ہاں، انصار میں سے ایک شخص نے کہا: نماز میں قرأت واجب ہوگئی۔ کثیر بن مرہ کہتے ہیں: مجھے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: بیشک امام جب قوم کی امامت کرائے تو اس کی قرأت قوم کے لیے کافی ہوگی۔

اس سے ثابت ہوا کہ امام کی اقتداء میں پڑھی جانے والی نماز میں قرأت نہیں کی جائے گی، کیونکہ امام کی قرأت پوری جماعت کے لیے کافی ہوگی۔ تاہم اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی مگر لوگوں میں انتشار کا سبب ضرور بنے گا۔

السؤال السادس: حَدَّثَنَا نَافِعٌ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَبْعَثُ بِزَكٰوةِ الْفِطْرِ اِلَى الَّذِيْ تُجْمَعُ عِنْدَهٗ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةٍ .

(الف) شكل الحديث وترجمه الى اللغة الأردية؟

(حدیث پر اعراب لگائیں اور اس کا اردو ترجمہ کریں؟)

(ب) متى وجبت صدقة الفطر؟ وبين مقدارها من شعير وتمر وزبيب .

(صدقہ فطر کب واجب ہوتا ہے؟ جو، کھجور، کشمش میں اس کی مقدار بیان کریں؟)

جواب: (الف) حدیث پر اعراب اور اس کا اردو ترجمہ:

اعراب اوپر عبارت پر لگا دیے گئے ہیں اور اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

حضرت نافع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر کے دن سے دو یا تین دن قبل جس عامل کے پاس صدقہ فطر جمع کیا جاتا اس کے پاس صدقہ فطر بھیج دیا کرتے تھے۔

(ب) صدقہ فطر کے وجوب کا وقت وسبب:

صدقہ ہر مسلمان، آزاد، مقیم اور صاحب نصاب پر واجب ہے۔ اس کے وجوب کا سبب عید الفطر کا دن یعنی صبح صادق کا وقت ہے۔ اس کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ یہ واجب ہے، کیونکہ حدیث کے مطابق اس شخص کے روزے زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتے ہیں جو صدقہ فطر ادا نہیں کرتا۔ آٹا، گندم اور انگور بطور صدقہ فطر نصف صاع دیے جائیں گے جبکہ جو اور کھجور کی مقدار ایک صاع (پانچ کلو) دی جائے گی۔